شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم



بیاد

حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

بانی و امیر مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

تصنیف و تالیف

شارح البخاری

علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ

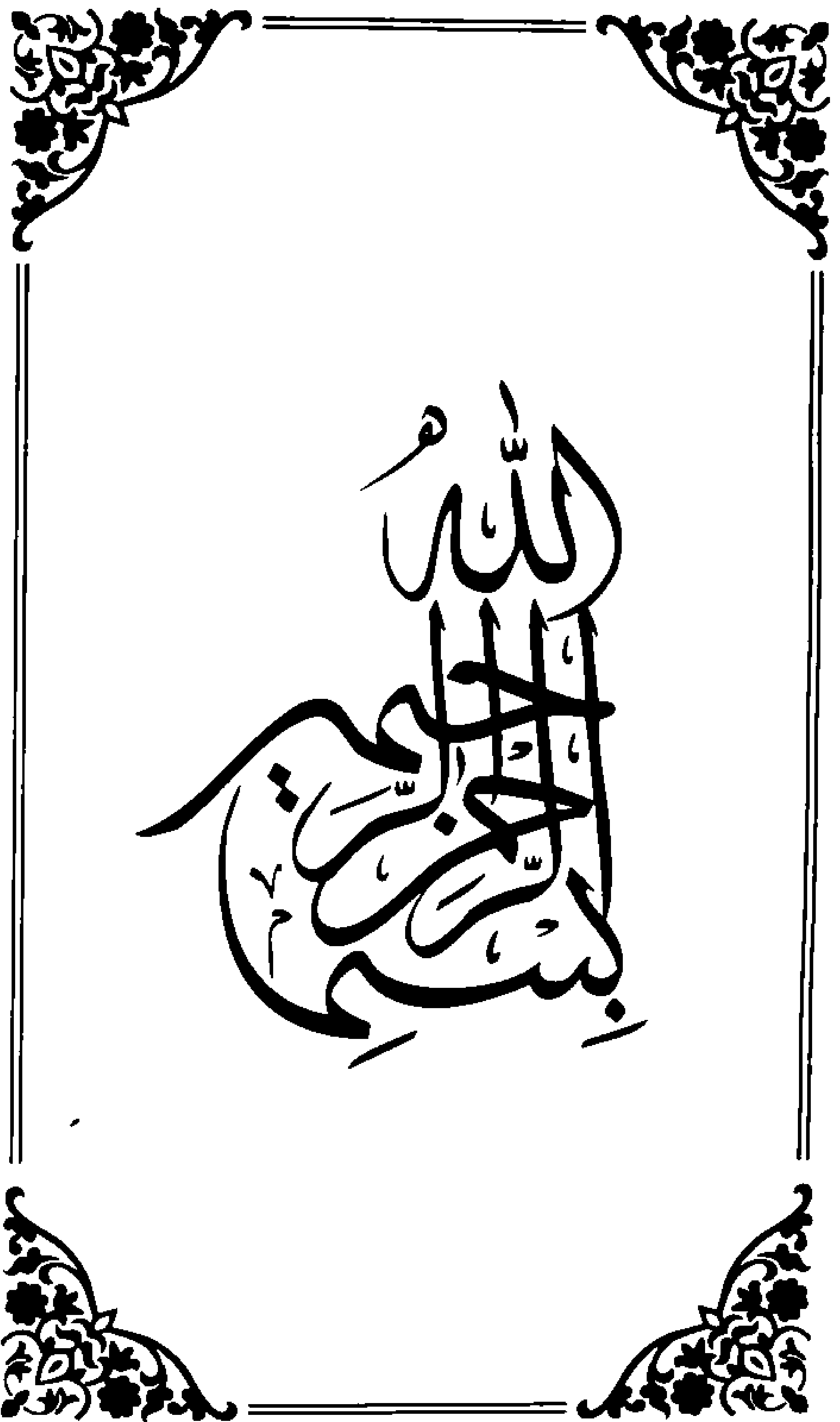
مہتمم شیخ الحدیث مرکزی دار العلوم حزب الاحناف گنج بخش لاہور

باہتمام

صاحبزادہ پیر سید مصطفٰے اشرف رضوی

امیر مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

رضوان کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور


بسم الله الرحمن الرحيم

وَاَحۡسَنُ مِنۡكَ لَمۡ تَرَ قَطُّ عَيۡنِىۡ

اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں

وَاَجۡمَلُ مِنۡكَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَآءُ

اور آپ سے زیادہ حُسن و جمال کا پیکر کسی ماں نے جنا ہی نہیں

خُلِقۡتَ مُبَرَّاً مِّنۡ كُلِّ عَيۡبٍ

آپ ہر عیب سے مبرّا اور پاک پیدا کیے گئے ہیں

كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَآءُ

گویا کہ جیسے آپ چاہتے تھے ویسا ہی آپ کو پیدا کیا گیا ہے۔

قرآن وحدیث اور فریقین کی معتبر مذہبی و تاریخی کتب سے
صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفاء راشدین علیہم الرحمت والرضوان
کے فضائل و مناقب دینی و ملّی خدمات اور انکی سوانح حیات

شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم

تصنیف لطیف

شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز

امیر و شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

باہتمام

صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی

ناظم اعلیٰ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور



رضوان کتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور

Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ---- شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

مصنف ---- امیر اہلسنّت شارح بخاری حضرت علامہ سیّد محمود احمد

---- رضوی محدث لاہوری قدس سرہ العزیز امیر و شیخ الحدیث

---- دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

پروف ریڈنگ ---- مولانا محبت علی قادری، عبدالرحمٰن رضا قادری

---- دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

کمپوزنگ ---- عزیز کمپوزنگ سنٹر لاہور 0344-4996495

باہتمام ---- صاحبزادہ پیر سیّد مصطفیٰ اشرف رضوی (ایم اے)

---- ناظم اعلیٰ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

صفحات ---- 256

ناشر ---- شعبہ تبلیغ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

قیمت ---- [redacted]/- روپے 256

ملنے کے پتے

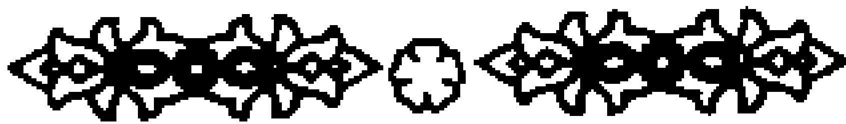
رضوان کتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور 042-7114729

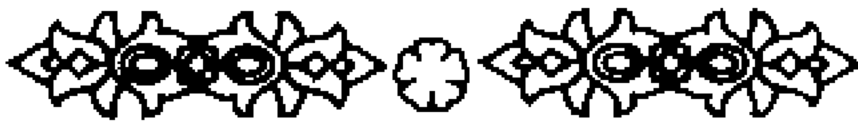
انتساب

اپنے جدِّ امجد قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین راس المحدثین امام المفسرین شیخ المشائخ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت حضرت علامہ ابو محمد سیّد محمد دیدار علی شاہ رضوی قادری فضل رحمانی محدث الوری قدس سرہ السبحانی...... اور اپنے والدِ محترم خلیفۂ اعلیٰ حضرت استاذ العلماء امام اہلسنّت سیّد المحدثین حضرت علامہ ابو البرکات سیّد احمد رضوی قادری اشرفی علیہ الرحمۃ بانیانِ مرکزی دار العلوم حزب الاحناف کے نام......
جنہوں نے اپنی پوری زندگی دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعتِ علوم عالیہ اسلامیہ قرآن وسنت کی تدریس اور پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ کے قیام اور مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ کے لیے صرف فرمائی۔

(سیّد محمود احمد رضوی)



فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

یہ اوراق اہلسنت و جماعت کے مسلکِ حق کے آئینہ دار ہیں۔ تحریر و ترتیب محدثِ لاہور حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ مد یر رضوان کی ہے۔ مقصود صرف حضور سید المرسلین خاتم النبیین محبوبِ رب العالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے مخلص جانثاروں کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت و محبت پیش کرنا ہے۔ جنہیں یارانِ نبی کے مقدس نام سے پکارا جاتا ہے اور جو اُمت کے امام و رہبر دینِ اسلام کے اوّلین مخاطب مبلغ و ناشر اور ساری کائنات کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں اور نہ بحث و مباحثہ۔ یہ تو عقیدت و محبت کے گلہائے رنگارنگ ہیں۔ جنہیں دلائل و براہین سے مزین کیا گیا ہے۔ اکثر مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ و مقام جلالتِ شان اور ان کے مخلص مومن و مسلمان ہونے کا ثبوت قرآن و سنت اور فریقین کی معتبر مذہبی و تاریخی کتب کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ جن سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

اہلسنت و جماعت کا مذہبی و ملی فرض ہے کہ وہ حق کی آواز کو گھر گھر پہنچانے کے لیے اس کتاب کی اشاعت و ترویج میں حصہ لیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے اپنی عقیدت و محبت کا عملی ثبوت دیں۔ یہ کتاب وقت کی اہم پیشکش اور دین کی نہایت ہی اہم خدمت ہے۔ صفحہ نمبر ا سے ۲۲ تک اعلیٰ حضرت مولانا امام شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات سے مرتبہ مضمون بطور تبرک نذرِ قارئین ہے۔

صاحبزادہ پیر سید مصطفیٰ اشرف رضوی

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

لاکھوں سلام

خاص اس سابقِ سیرِ قربِ خدا
اوحدِ کاملیّت پہ لاکھوں سلام

سایۂ مصطفےٰ مایۂ اصطفاء
عزّ و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

اصدق الصادقین سیّد المتقین
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

فارِقِ حق و باطل امام الھدیٰ
تیغِ مسلول شِدّت پہ لاکھوں سلام

ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

زاہدِ مسجدِ احمدی پر درود
دولتِ جیشِ عُسرت پہ لاکھوں سلام

دُرِ منثور قرآن کی سلک بہی
زوجِ دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام

یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ
حلہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز

فضائل خلفاء راشدین

(اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائۃ حاضرہ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

چاروں خلفاء میں سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی منقبت میں اعلیٰ حضرت نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبھی بت کو سجدہ نہ کیا۔ چار برس کی عمر میں آپ کے باپ ابوقحافہ بت خانے میں لے گئے اور کہا:

هٰؤُلَاءِ اٰلِهَتُكَ الشُّمُّ الْعُلٰى فَاسْجُدْ لَهُمْ۔

''یہ ہیں تمہارے بلند و بالا خدا انہیں سجدہ کرو''۔

جب آپ بت کے سامنے تشریف لے گئے، تو فرمایا! میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا دے میں ننگا ہوں، مجھے کپڑا دے، میں پتھر مارتا ہوں، اگر تو خدا ہے تو پھر اپنے آپ کو بچا۔

وہ بت بھلا کیا جواب دیتا، آپ نے ایک پتھر اس کے مارا۔ جس کے لگتے ہی وہ گر پڑا، اور قوتِ خداداد کی تاب نہ لا سکا۔ باپ نے یہ حالت دیکھی۔ انہیں بہت غصہ آیا۔ انہوں نے تھپڑ رخسار مبارک پر مارا۔ اور وہاں سے آپ کی ماں ام الخیر کے پاس لائے۔ سارا واقعہ بیان کیا۔ ماں نے کہا! اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو غیب سے آواز آئی تھی کہ:

يَا اَمَةَ اللّٰهِ بِالتَّحْقِيْقِ اَبْشِرِيْ بِالْوَلَدِ الْعَتِيْقِ اِسْمُهٗ فِي السَّمَآءِ الصِّدِّيْقُ لِمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَّرَفِيْقٌ۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

''اے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے مژدہ ہو، اس آزاد بچے کا آسمانوں میں اس کا نام صدیق ہے۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یار و رفیق ہے۔ میں نہیں جانتی کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں اور کیا معاملہ ہے۔''

اس وقت سے صدیق اکبر کو کسی نے شر کی طرف نہ بلایا۔ یہ روایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود مجلسِ اقدس میں بیان کی۔ جب یہ بیان کر چکے، جبرئیل امین حاضرِ بارگاہ ہوئے۔ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور عرض کی:

صَدَقَ اَبُوْبَكْرٍ وَهُوَ الصِّدِّيْقُ۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا اور وہ صدیق ہیں''۔

یہ حدیث عوالی الفرش الی معاش العرش میں ہے اور اسے امام قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں بھی ذکر کیا ہے۔

جب سے (حضرت ابوبکر) خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کسی وقت جدا نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ بعد وفات بھی پہلوئے اقدس میں آرام فرما ہیں۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنے دستِ اقدس میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ لیا اور بائیں دستِ اقدس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ لیا اور فرمایا:

هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

''ہم قیامت کے روز یوں ہی اٹھائے جائیں گے''۔

امام اہلسنت و جماعت، سیدنا ابوالحسن اشعری قدس سرہُ العزیز فرماتے ہیں:

لَمْ يَزَلْ اَبُوْبَكْرٍ بِعَيْنِ الرِّضَا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

''ابوبکر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے منظور رہے''۔

ابن عساکر، امام زہری تلمیذ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

مِنْ فَضْلِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهٗ لَمْ يَشُكَّ فِي اللّٰهِ سَاعَةً۔

''صدیق کے فضائل سے ایک یہ ہے کہ ان کو کبھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک نہ ہوا''۔

امام عبدالوہاب شعرانی ''الیواقیت والجواہر'' میں فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اَتَذْکُرُ یَوْمَ یَوْمٍ کیا تمہیں اس دن والا دن یاد ہے عرض کی ہاں یاد ہے، اور یہ بھی یاد ہے کہ اس دن سب سے پہلے حضور ﷺ نے بلیٰ فرمایا تھا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روزِ الست سے روزِ ولادت اور روزِ ولادت سے روز وفات اور روزِ وفات سے ابدالآباد تک سردارِ مسلمین ہیں۔

یوں ہی سیدنا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس بارے میرا ایک خاص رسالہ ہے۔ (تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ من وصمۃ عہد الجاہلیۃ (الملفوظ ۱۳۳۸ہجری) حصہ اول صفحہ ۱۰۹۔ مرتبہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب مطبوعہ حسنی پریس محلہ سوداگراں بریلی شریف)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدقے بوڑھے مسلمانوں کی بخشش

جنت میں جوانوں کے سردار امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ ہوں گے اور بوڑھے ہوکر جو انتقال کریں گے۔ ان کے سردار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی کا ارشاد ہے کہ'' ابوبکر صدیق (جن کی نسبت حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیروی کو اپنی امت کی مغفرت کے لیے وسیلہ کیا کہ الٰہی ابوبکر کا صدقہ میری امت کے بوڑھوں کو بخشدے۔ (السنیۃ الانیقہ فی فتاوی افریقہ صفحہ ۱۵۰۔ ۱۵۱ مطبوعہ اہلسنت پریس بریلی شریف)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق کا ایمان

الملفوظ جلد سوم صفحہ ۵۶ پر امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم کے ایمان لانے کے

بیان میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس وقت ایمان لائے۔ جب کل مرد و عورت ۳۹ مسلمان تھے۔ آپ چالیسویں مسلمان ہیں۔ اسی واسطے آپ کا نام "متمم الاربعین" ہے۔ یعنی چالیس مسلمانوں کے پورا کرنے والے، جب آپ مسلمان ہوئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

"اے نبی تجھ کو کافی ہے اللہ اور اس قدر لوگ جواب تک مسلمان ہو گئے"۔

کفار نے جب سنا، تو کہا:

آج ہم اور مسلمان آدھوں آدھ رہ گئے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے، عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کو خوشخبری ہو کہ آج آسمانوں پر عمر کے اسلام لانے پر شادی رچائی گئی ہے۔

آپ کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ کفار ہمیشہ سرکار کی ایذا رسانی کی فکر میں رہتے۔ آیت کریمہ میں نازل ہوئی۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

"اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہے، کوئی تمہارا کچھ نہیں کر سکتا"۔

اس وقت تک یہ بھی مسلمان ہوئے تھے، ابو جہل لعین نے اعلان کر دیا کہ جو شخص ...... اُس کو اس قدر انعام دوں گا، ان کو جوش آیا، تلوار ننگی کر لی، اور قسم کھائی کہ اس کو نیام میں نہ کریں گے۔ جب تک کہ معاذ اللہ اپنے ارادے کو پورا نہ کر لیں گے۔ معارج میں ہے کہ انہوں نے تو قسم یہ کھائی اور ادھر رب العزت جل جلالہ نے قسم یہ فرمائی کہ یہ تلوار نیام میں نہ ہوگی، تاوقتیکہ کفار کو اسی سے قتل نہ کریں، جا رہے تھے راستہ میں نعیم بن عبداللہ صحابی ملے۔ دیکھا نہات غصہ کی حالت میں سرخ آنکھیں، ننگی تلوار

لیے ہیں۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ اُنہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ نعیم بن عبداللہ نے کہا، بنی ہاشم کے حملوں سے کیسے بچو گے، انہوں نے کہا شاید تو بھی مسلمان ہو گیا ہے۔ تجھی سے شروع کروں۔ نعیم بن عبداللہ نے فرمایا: ''میری کیا فکر کرتے ہو۔ اپنے گھر میں تو جا کر دیکھو، تمہارے بہن بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے۔ ان کو غیظ آیا۔ سیدھے بہن کے مکان پر گئے، دروازہ بند پایا۔ اندر سے پڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ ان کی بہن کو حضرت خباب رضی اللہ عنہ، سورۂ طٰہٰ شریف سکھا رہے تھے، آواز اجنبی، خیر آواز دی، ان کی بہن نے صحیفہ کو کسی گوشہ میں چھپا دیا۔ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ ایک کوٹھڑی میں چھپ گئے۔ دروازہ کھولا گیا۔ آتے ہی بہن سے پوچھا تو دین سے پھر گئی؟

اسلام میں رافضیوں کا سا تقیہ کہاں؟ (بہن نے) صاف کہہ دیا، میں نے سچا دین اسلام قبول کیا۔ خیر انہوں نے تلوار سے تو نہیں مارا، مگر ہاتھ سے مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ خون بہنے لگا۔ جب آپ کی بہن نے دیکھا کہ چھوڑتے ہی نہیں تو کہا! اے عمر! تم مار ہی ڈالو مگر دین اسلام ہم سے نہ چھوٹے گا۔ جب انہوں نے خون بہتا دیکھا، تو غصہ فرو ہو گیا۔ اپنی بہن کو چھوڑ دیا، تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ میں نے نئے کلام کی آواز سنی ہے۔ وہ مجھے دکھاؤ۔ آپ کی بہن نے کہا، تم مشرک ہو۔ اس کو چھو نہیں سکتے۔ انہوں نے زبردستی کر کے مانگ لیا۔ دو تین آیتیں پڑھیں۔ فوراً ان کے منہ سے نکلا وَاللّٰهِ مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ (خدا کی قسم یہ کلام بشر کا نہیں)۔

یہ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ فوراً کوٹھڑی سے نکل آئے اور کہا:

اے عمر تمہیں خوشخبری ہو، کل ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی:

اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِیْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

''الٰہی اسلام کو عزت دے، ابوجہل یا پھر، عمر بن خطاب کے ذریعہ سے''۔

الحمدللہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں تشریف فرما ہیں۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دار ارقم میں۔ انہوں نے کہا مجھے لے چلو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ درِ دولت پر لے کر حاضر ہوئے۔ یہاں مسلمان بخوفِ کفار چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ دروازہ پر آواز دی اندر سے آواز آئی ''کون'' انہوں نے کہا عمر۔ ضُعَفَائے مسلمین خائف ہوئے۔ دو تین آوازیں دیں، مگر جواب نہ دیا گیا۔ انہوں نے سختی سے آواز دی۔ تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کواڑ کھول دیا جائے۔ گر خیر کے لیے آیا ہے۔ فبہا اور اگر ارادہ شر سے آیا ہے تو واللہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا۔ دروازہ کھلا۔ یہ اندر گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور ان کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: عمر کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تو مسلمان ہو۔ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک عظیم الشان پہاڑ میرے اوپر رکھ دیا گیا۔ یہ عظمت نبوت تھی۔ فوراً عرض کیا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

یہ دیکھتے ہی مسلمانوں نے خوش ہو کر باآواز بلند تکبیریں کہیں۔ جن سے پہاڑ گونج اٹھے۔ انہوں نے مسلمان ہوتے ہی عرض کیا۔ یارسول اللہ کفار علی الاعلان اپنے معبودانِ باطل کی پرستش کریں اور ہم مسلمان چھپ کر اپنے سچے خدا کی عبادت کریں۔ ہم علانیہ مسجد حرام شریف میں نماز پڑھیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لیکر برآمد ہوئے۔ مسجد حرام شریف میں اذان کہی گئی۔ دو صفیں ہوئیں ایک میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دوسری میں عمر رضی اللہ عنہ جس کافر نے دیکھا چپکے اپنے گھر میں گھس گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

جب ضعفائے مسلمین نے ہجرت کی تو کفار سے چھپ چھپ کر چلے گئے انہوں نے جب ہجرت فرمائی۔ ایک ایک مجمع کفار میں ننگی شمشیر لے جا کر فرمایا، جس

نے مجھے جانا اور جس نے نہ جانا ہو وہ اب جان لے، پہچان لے، میں ہوں عمر، جسے اپنی عورت بیوہ اور بچے یتیم کرنا ہوں، وہ میرے سامنے آئے، میں اب ہجرت کرتا ہوں۔ پھر یہ نہ کہنا کہ عمر بھاگ گیا۔ تمام کفار سر جھکائے بیٹھے رہے۔ کسی نے چوں بھی نہیں کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے بنائے گئے

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت ایک سوال کے جواب میں قرآن شریف کی یہ آیت نقل فرماتے ہیں: اللہ عزّ وجل فرماتا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔

''زمین ہی سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں پھر تمہیں لے جائیں گے اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے''۔

ابونعیم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا وَقَدْ ذُرَّ عَلَيْهِ مِنْ تُرَابِ حُفْرَتِهٖ۔

''کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا جس پر اس کی قبر کی مٹی نہ چھڑکی گئی ہو۔''

خطیب نے کتاب ''المتفق والمفترق'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا وَفِيْ سُرَّتِهٖ مِنْ تُرْبَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ مِنْهَا حَتّٰى يُدْفَنَ فِيْهَا وَاَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَّاحِدَةٍ فِيْهَا نُدْفَنُ۔

''ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا، یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے بنے، اسی میں دفن ہونگے''۔

(السنیۃ الانیقۃ فی فتاویٰ افریقہ صفحہ ۸۵)

خطبہ میں خلفاء کرام کا نام کی ابتداء

کسی نے سوال کیا کہ خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر تو زمانہ اوّل میں نہ تھا۔ اس کے جواب میں مجدد ملت نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:

زمانہ اوّل میں ثابت ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ کا ذکر خطبہ میں کیا۔ بعد آپ کے ذکر کے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔

اس کی خبر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ سخت ناراض ہوئے کہ تم نے ابوبکر صدیق کا ذکر میرے بعد کیوں کیا؟ مجھ سے پہلے (کرنا) چاہیے تھا۔

اس روایت کو تحریر فرمانے کے بعد حاشیہ پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم کی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر اس لیے ناراضی تھی کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ

کسی نے سوال کیا کہ بعض لوگ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ منہا لالچی تھے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک تین دن تک رکھی تھی اور وہ اپنے اپنے خلیفہ ہونے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے تو حضرت مجدد نے جواب دیا:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازۂ انور اگر قیامت تک رکھا رہتا۔ اصلاً کوئی خلل محتمل نہ تھا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام طاہرہ بگڑتے نہیں، سیّدنا سلیمان علیہ السلام بعد انتقال کھڑے رہے۔ سال بھر بعد دفن ہوئے۔ جنازۂ مبارکہ حجرۂ ام المؤمنین صدیقہ

میں تھا۔ جہاں اب مزارانور ہے۔اس سے باہر لے جانا نہ تھا۔ چھوٹا سا حجرہ اور تمام صحابہ کو اس نمازِ اقدس سے مشرف ہونا تھا۔ ایک جماعت آتی اور پڑھتی اور باہر چلی جاتی پھر دوسری آتی، یوں یہ سلسلہ تیسرے دن ختم ہوا۔ اگر تین برس میں ختم ہوتا، تو جنازۂ اقدس تین برس یوں ہی رکھا رہنا تھا کہ اس وجہ سے تاخیر دفن اقدس ضروری تھا۔ ابلیس کے نزدیک یہ اگر لالچ کے سبب تھا تو سب سے سخت تر الزام امیر المؤمنین مولیٰ علی پر ہے۔ یہ تو لالچی نہ تھے۔ اور کفن دفن کا کام گھر والوں سے ہی متعلق ہوتا ہے۔ یہ کیوں تین دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ خود انہی نے رسول کا یہ کام کیا ہوتا۔ یہ پچھلی خدمت بجالائے ہوتے تو معلوم ہوا کہ یہ اعتراض ملعون ہے اور جنازہ انور کا جلد دفن نہ کرنا ہی مصلحتِ دینی تھا۔ جس پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہے۔ مگر چشم بداندیش کہ برکندہ باد۔ عیب نماید ہنرش درنظر۔ یہ خبثاء خذلہم اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو ایذا نہیں دیتے۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔

مَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَ مَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَ مَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ.

''جس نے اُن کو (صحابہ کو) ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اُسے گرفتار کرے۔

(احکامِ شریعت جلد اوّل صفحہ ۷۰۰۶۹، ابو العلائی پریس آگرہ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان

حضرت مولانا شاہ عبدالحمید صاحب قدس سرہ العزیز نے جو مشائخ بنارس میں سے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے سوال کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہمیشہ سے مسلمان تھے۔ یا ۱۳۔ ۱۰۔ ۹۔ ۸ برس کے سن میں ایمان لائے۔ اعلیٰ حضرت نوّر اللہ

مرقدہ نے فرمایا:

حضرت امیر المؤمنین، مولی المسلمین، امام الواصلین، سیّدنا و مولانا علی مرتضیٰ، مشکل کشا کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت امیر المومنین امام المشاہدین، افضل الاولیاء والمحدثین سیّدنا و مولانا صدیق اکبر عتیق اطہر علیہ الرضوان الاجل الاظہر دونوں حضرات عالم ذرّیت سے روزِ ولادت، روزِ ولادت سے سن تمیز، سنِ تمیز سے ہنگام ظہور پرنور، آفتاب بعثت، ظہور بعثت سے وقتِ وفات، وقتِ وفات سے ابدالآباد تک بحمد اللہ تعالیٰ موحد و موقن و مسلم و مومن وطیب وذکی وطاہر ونقی تھے۔ اور ہیں اور رہیں گے، کبھی کس وقت، کسی حال میں ایک لحہ، ایک لحظہ، ایک آن کولوثِ کفر وشرک وانکاران کے پاک مبارک ستھرے دامنوں تک اصلاً نہ پہنچا، نہ پہنچے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

عالم ذریت سے روزِ ولادت تک اسلام میثاقی تھا۔ الست بربکم قالوا بلٰی روزِ ولادت سے سن تمیز تک اسلام فطری کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ سن تمیز سے روزِ بعثت تک اسلام توحیدی کہ ان حضرات والا صفات نے زمانہ فَتْرَد میں بھی کبھی بت کو سجدہ نہ کیا۔ کبھی غیر خدا کو خدا قرار نہ دیا۔ ہمیشہ ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ایک ہی کہا، ایک ہی سے کام رہا۔ (تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ الجاہلیہ ص ۲۲ نوری کتب خانہ لاہور)

خلفاءِ اربعہ صاحب ولایت تھے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور دستِ راست (یعنی داہنا ہاتھ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور دستِ چپ (بایاں ہاتھ) تھے۔ اور پھر امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المؤمنین فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو عطا ہوئی۔

اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ درجہ غوثیت پر فائز

ہوئے اور امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ و مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم وزیر ہوئے، پھر امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غوثیت عنایت ہوئی اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و امام حسن رضی اللہ عنہ وزیر ہوئے۔ پھر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو اور امامین محترمین رضی اللہ عنہما وزیر ہوئے۔ (الملفوظ جلد اول صفحہ ۱۱۷)

سلسلہ ولایت پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک سلسلہ امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے، ایک عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے...... تھا۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک سلسلہ علاوہ سلسلہ نقشبندیہ کے "حواریہ" تھا۔ اس کے امام حضرت سیّدی ابوبکر حوار رضی اللہ عنہ تھے۔ (الملفوظ جلد چہارم صفحہ ۱۳)

چار کا عدد

عددِ چار کی صرف اس لیے دشمنی کہ اہلسنّت چار خلفائے کرام مانتے ہیں۔ کیسی گندی جہالت ہے۔ آسمانی کتابیں بھی چار ہیں۔ قرآن عظیم، توریت، انجیل و زبور...... اگلے مرسلین اولوالعزم بھی چار ہیں نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام۔

اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حیدر، بتول، حسنین، شہید، عابد، سجاد، باقر، صادق، موسیٰ، کاظم، جواد، مہدی، ان سب میں چار چار حروف ہیں۔ تو ان سب سے نفرت کریں۔

تین سے محبت ہے

تو یزید سے کیوں نہیں محبت کرتے؟ اس میں بھی صرف اصلی تین ہی ہیں اور شمر تو ان کا بڑا محبوب ہونا چاہیے۔ کہ خالص تین حرف ہے۔ طرفہ یہ کہ وہ چار خلفاء میں سے تین کے دشمن ہیں اور تین روٹیاں کھانا یا ایک روٹی کے تین ٹکڑے کرنا ناپسند نہیں رکھتے، جہاں ان تین میں چوتھا شامل ہوا۔ اور نفرت آئی۔ تو یہ نفرت تین سے نہ ہوئی۔ بلکہ چوتھے سے کہ خاص مذہب ناصبیوں کا ہے۔ اسی کی نظیر ان اوہام پرستوں کی دس

کے عدد سے عداوت ہے کہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کا عدد ہے اور نو کے عدد سے محبت رکھتے ہیں حالانکہ وہ ان دس میں نو کے دشمن ہیں۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

مَنْ اَجْهَلُ مِمَّنْ يَكْرَهُ التَّكَلُّمَ بِلَفْظِ الْعَشْرَةِ اَوْ فِعْلِ شَیْ ءٍ يَكُوْنُ عَشْرَةً لِكَوْنِهِمْ يَبْغِضُوْنَ الْعَشْرَةَ الْمَشْهُوْدَ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ وَيَسْتَثْنُوْنَ عَلِيًّا وَ الْعَجَبُ اَنَّهُمْ يُوَالُوْنَ لَفْظَ التِّسْعَةِ وَ يَبْغِضُوْنَ التِّسْعَةَ مِنَ الْعَشْرَةِ۔

''ان سے بڑھ کر جاہل کون ہوگا جو دس کا نام لینا یا وہ کام کرنا جس میں دس کی گنتی آئے، ناگوار رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں ان سے عداوت ہے جن کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی شہادت دی فقط علی کو الگ کر لیتے ہیں۔ اور عجب یہ کہ وہ نو کا لفظ پسند کرتے ہیں حالانکہ اُن دس میں نو ہی کے دشمن ہیں۔ (فتاوی افریقہ صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۷)

چاروں خلیفہ کا مرتبہ برابر کہنا خلاف اہلسنّت ہے

کسی شخص نے اپنے سوال میں چاروں خلفاء کے مرتبہ کو برابر قرار دیا۔ تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے فرمایا یہ خلاف عقیدہ اہلسنّت ہے۔

اہلسنّت کے نزدیک صدیق اکبر کا مرتبہ سب سے زائد ہے، پھر فاروق اعظم، پھر مذہب منصور میں، عثمان غنی، پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم۔

جو چاروں کو برابر جانے وہ بھی سنی نہیں۔ ہاں یہ معنی لے کر چاروں کا ماننا فرض ہے۔ اس بات میں برابری ہے، تو حرج نہیں، جیسے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ اس کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے کہ ایک کو مانیں ایک کو نہ مانیں، بلکہ سب کو مانتے ہیں اور فرماتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ان رسولوں میں ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی افریقہ صفحہ ۱۴۸)

صحابہ کرام کا مرتبہ ومقام

اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں۔ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بہ ایمان ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا۔ جہاد کیا، دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ مشرف بہ ایمان ہوئے۔ پھر فرمایا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى دونوں فریق (فتح مکہ سے قبل اور فتح مکہ سے بعد والوں) سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کو فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ○ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔

"وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں، اس کی بھنک تک نہ سنیں گے، قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل فرماتا ہے، تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔ اور انکے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات (روایات جھوٹی اور) کاذبہ ہیں۔ ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند کر دیا۔ فرمادیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمادیا:

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○

"اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے"۔

بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم میں جائے۔ (احکام شریعت جلد اول صفحہ ۶۸ تا ۶۹)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام

ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی سے جدا نہ ہوئے۔ ہمہ وقت پاس رہتے اور وحی الٰہی کی کتابت کرتے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دل میں جو احترام تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہا (الملفوظ جلد سوم صفحہ ۴۲ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں) کہ ایک صحابی عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی شباہت کچھ کچھ سرکار سے ملتی تھی، جب وہ (دمشق) تشریف لاتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تخت سے سروقد ہو جاتے۔ (اس لیے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مشابہ تھے)

خلافتِ راشدہ کی تعریف

ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ تھی اور اب سیّدنا امام مہدی رضی اللہ عنہ کی خلافت، خلافت راشدہ ہوگی۔ (الملفوظ جلد ۳ صفحہ ۱۷)

صحابہ کرام کو برا کہنے والے کے پیچھے نماز ممنوع ہے

بعض لوگ صحابہ کرام مثل امیرِ معاویہ و عمرو بن عاص و ابوموسیٰ اشعری و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے کہ انہیں امام بنانا حرام اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جتنی پڑھی ہوں سب کا پھیرنا واجب ہے۔ (احکامِ شریعت جلد اوّل صفحہ ۹۱)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ ہمارے دلوں میں اپنی، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و اصحاب کی سچی محبت و عقیدت بھر دے اور جملہ مسلمانوں کے دلوں کو صحابہ کرام کی عداوت و نفرت سے پاک کر کے اس کی جگہ الفت پیدا کر دے۔

صحابہ کرام اور اہلبیت نبوت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ

یہ ملت اسلامیہ کے وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جنہیں قرآن کے اوّلین مخاطب اور حضور سے بلاواسطہ شرف تعلیم وتربیت حاصل ہوا تھا۔ اسلام کی اشاعت کے اوّلین داعی۔ راہ حق میں مخلصانہ سرفروشی اور دین کی راہ میں مصائب وآلام اٹھا کر ثابت قدمی کے تاج کی زیب وزینت بنتے رہے۔ تمام صحابہ کرام مومن مخلص سچے مسلمان اور جنتی ہیں۔ عادل ہیں۔ سب کی تعظیم وتوقیر محبت واحترام مسلمانوں کے لیے لازم وواجب ہے۔ یہ مہاجر بھی انصار بھی ہیں۔ غازی بھی ہیں شہید بھی ہیں۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا

اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی۔ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے تقویٰ میں امتحان لے لیا''۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا۔

''اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔

وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی۔

''سب صحابہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا''۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے لیے اپنی بخشش اور اجرِ عظیم کا اعلان فرمایا (پارہ ۲۶ رکوع ۱۱) صحابہ کرام کو زمین کی حکومت و خلافت کی بشارت عطا فرمائی۔ (پارہ ۱۸ رکوع ۱۴)

انہیں حضور ﷺ کا ساتھی قرار دیا۔ کافروں پر سخت آپس میں رحم دل (پارہ ۲۶ رکوع ۱۲)

حضور سیّدِ عالم نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔ میرے زمانہ کے لوگ بہترین ہیں۔

میرے صحابہ کو برا مت کہو، مجھے اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی ایک شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا، تو صحابہ میں سے کسی ایک کے مد بلکہ نصف مد کے ثواب کو بھی نہ پا سکے گا۔

(مشکوٰۃ، مسلم فضائل صحابہ)

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان کو تنقید کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے انہیں محبوب رکھا۔ میری محبت کی وجہ سے محبوب رکھا، جس نے میرے صحابہ کو ایذا دی۔ اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی۔ اس نے اللہ کو ایذا دی اور اللہ کو ایذا دینے والا جہنمی ہے۔ (ترمذی)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیں تبرّا بکیں تو کہو تمہاری شرارت پر لعنت۔ (بخاری)

صحابہ کرام کی فضیلت و عظمت

حضور ﷺ کے صحابی ساری امت سے افضل و بہتر ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کی عظمت اور اسلام کی عظمت صحابہ ہی سے بلند ہوئی ہے۔ یہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کے جمال کو دیکھا۔ آپ کی پاکیزہ صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ قرآن اور دین کو حضور ﷺ کی زبان سے سنا اور اپنی جان و مال حضور پر نثار کر دیا۔ صحابی کے مرتبہ کو اب کوئی نہیں پا سکتا۔ دنیا بھر کے اولیا، اقطاب، ابدال غوث و

قطب صحابی رسول کے درجہ ومقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ سے محبت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے ان کے ساتھ محبت رکھنی چاہیے۔ ان کے ساتھ محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے۔ ان کے ساتھ عداوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ عداوت ہے۔ (مکتوبات نمبر ۲۲۶، جلد اوّل، صفحہ ۳۲۶)

سلامتی کی راہ یہ ہے کہ صحابہ کے مشاجرات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے

"اے برادر طریق اسلم دریں موطن سکوت از ذکر مشاجرات صحابہ پیغمبر است علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات واعراض از تذکرہ منازعات ایشاں۔

(دفتر اوّل مکتوب ۲۵۱)

"اے برادر اس بارے میں سلامتی کی راہ اور نجات کی راہ صرف یہ ہی ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات ومحاربات سے متعلق خاموشی اختیار کی جائے اور زبان نہ کھولی جائے۔"

صحابہ کرام کو بدگوئی کا نشانہ نہ بناؤ

پیغمبر فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایاك وما شجر بین اصحابی نیز فرمودہ الله الله فی اصحابی لا تتخذوھم عرضا۔ (دفتر اوّل مکتوب ۲۵۱)

"نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میرے صحابہ میں جو جھگڑے ہوں۔ ان سے الگ رہو۔ نیز آپ نے فرمایا میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اس کا خوف کرو اور ان کو بدگوئی کا ہدف نہ بناؤ"۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ نیز فرمودہ است کہ ابوبکر وعمر افضل ایں امت اند۔

(دفتر دوم مکتوب ٦٧)

"جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما اس امت میں سب سے افضل ہیں"۔

صحابہ کی لڑائیاں

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وسیّدنا طلحہ وسیّدنا زبیر وسیّدنا معاویہ وسیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی لڑائیاں ہوئیں۔ ان سب میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے۔ اور یہ حضرات خطا پر۔ لیکن وہ خطا عنادی نہ تھی، بلکہ خطائے اجتہادی تھی۔ مجتہد کو اس کی خطائے اجتہادی پر بھی ایک ثواب ملتا ہے۔ ہم کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت رکھنے۔ ان سب کی عزت وتعظیم کرنے کا حکم ہے جو کسی صحابی کے ساتھ بغض وعداوت رکھے وہ بدمذہب ہے۔

(مکتوب ٢٦٦ جلد اوّل صفحہ نمبر ٢٣٢)

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل واعلیٰ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ان کے بعد سب سے افضل سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان دونوں باتوں پر اجماع امت ہے۔ اور چاروں آئمہ مجتہدین امام اعظم ابو حنیفہ وامام شافعی وامام مالک وامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور اکثر علمائے اہلسنّت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ میں سب سے افضل سیّدنا عثمان غنی ہیں۔ پھر ان کے بعد تمام امت میں سب سے افضل سیّدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔

(مکتوبات نمبر ٢٦٦ جلد اوّل صفحہ نمبر ٢٣٠)

رفیق نبوت

سیّد الاولیاء حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں فرماتے

ہیں کہ فقہاء میں سے کسی نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے امتحاناً سوال کیا زکوٰۃ کتنے پر واجب ہوتی ہے؟ حضرت شبلی نے کہا، جواب مسلکِ فقہاء پر چاہتے ہو یا مسلکِ فقراء پر؟

سائل نے عرض کی دونوں پر۔ فرمایا فقہاء کے مذہب پر ایک سال گزرنے کے بعد دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اور مذہب فقراء پر دوسو درہم کے علاوہ اپنی جان بھی پیش کرنی ضروری ہے۔

سائل نے کہا اس کی دلیل؟

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

ما این مذہب از صادق رب العالمین گرفتم یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ او ہر چہ داشت بہ پیش سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہاد و جگر گوشہ عائشہ را بشکرانہ داد۔ (مکتوبات یحییٰ منیری صفحہ ۳۴۲)

"میں نے یہ مذہب صادق رب العالمین حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا' آپ نے جو کچھ تھا سب اپنے مقدس رسول پر نثار کر دیا اور اپنی جگر گوشہ حضرت عائشہ کو شکرانہ میں بحضور نبوی پیش کر دیا"۔

پروانہ کو چراغ عنا دل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس جلال و جمالِ الٰہی کا پرتو تھا۔ کسی میں تاب نہ تھی کہ بحضورِ نبوی آنکھ ملا کر بات کر سکے۔ مگر جناب صدیق اکبر و فاروق اعظم میں یہ استعداد تھی کہ جمالِ نبوت کو آنکھ بھر کر دیکھ لیتے تھے۔

حدیث ترمذی میں ہے کہ حضور انصار و مہاجرین کے اجتماع میں جلوہ فرماتے تھے۔ جلالِ نبوت و وقارِ رسالت کا یہ عالم تھا کہ کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ مگر اس اجتماع میں صرف صدیق و فاروق ہی ایسی شخصیت تھے، جو جمالِ نبوت سے فیض یاب ہو رہے تھے اور حضور ان کی طرف نظر فرماتے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ان دونوں سے بہ تبسم کلام فرماتے تھے۔

اَصدق الصادقین و سیّد المتقین
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

حضرت مولائے کائنات شیرِ خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:
سب سے بہتر ابوبکر و عمر ہیں۔ میری محبت اور ابوبکر و عمر سے بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہوسکتا''۔ (طبرانی)

امام شعبی سے روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کو چار چیزوں سے ممتاز کیا:

- آپ کا نام صدیق رکھا۔
- آپ غار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق۔
- ہجرت میں حضور کے صاحب تھے۔
- مرض وفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کا شرف بخشا۔

صدیق اکبر و فاروق اعظم بعد وصال بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ہیں

و شیخین بعد از موت نیز از حضرت پیغمبر جدا نشدند، وحشر نیز درمیان ایشاں خواہد بود چنانچہ فرمودہ۔ (دفتر دوم مکتوب ۶۷)

''جناب صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما بعد از وصال بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن دونوں حضرات کے درمیان اٹھیں گے''۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ مطلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں

مجدد الف ثانی قیوم زمانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی قدس سرہ العزیز

فرماتے ہیں:

امامِ برحق وخلیفہ مطلق بعد حضرت خاتم مرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق است۔ (مکتوب ۶۷ دفتر دوم)

''حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے بعد امام برحق خلیفہ مطلق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں''۔

افضیلت ایشاں بترتیب خلافت است۔

''خلفاء اربعہ میں افضیلت کی ترتیب خلافت کی طرح ہے''۔

(دفتر سوم مکتوب ۶۷)

علی مرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم

امیر المؤمنین سید المتقین شیرِ خدا شاہ خیبر شکن سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم وہ روشن چراغ تھے جو فتنوں کی اندھیار میں بھی آخر وقت تک یکساں نور فشاں رہے۔ تاریکیاں سمٹ سمٹ کر ان پر حملہ آور ہوئیں۔ لیکن ناکام رہتیں۔ ظلمت پسند بڑھ بڑھ کر اس شمع ولایت پر پھونکیں مارتے لیکن اس کی لو میں تھرتھراہٹ بھی پیدا نہ ہوتی۔ آخری سانس تک اللہ کے دین اور اس کے آخری نبی کی سنت پر مستقیم رہے۔ ان کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آزمائش گاہ بنایا۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ مجھے قسم ہے اس ہستی مقدس کی جس نے دانے اگائے اور جاندار مخلوق پیدا کی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مومن مجھ سے محبت کرے گا۔ اور منافق مجھ سے بغض رکھے گا۔ (مشکوۃ شریف)

اہلسنت و جماعت اہلبیت اطہار و شہزادگان کونین حسن و حسین علیہ السلام اور سیدہ عفیفہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت کو ایمان کی جان قرار دیتے ہیں۔

مرتضٰی شیرِ حق اشجع الاشجعین
ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
شیرِ شمشیر زن شاہ خیبر شکن
پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
ماحی رَفض و تفضیل و نصب و خروج
حامی دینِ و سنت پر لاکھوں سلام

شہزادہ کونین امام حسین علیہ السلام

امام العارفین سیّد المتقین حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف کشف المحجوب میں ارشاد فرماتے ہیں

شہزادہ کونین سیّدنا امام حسین علیہ السلام بلند پایہ اولیاء اللہ سے ہیں اور تمام حریت پسند، حق پرست فراد کے لیے ان کی سیرت طیبہ ایک بےمثال دستور حیات ہے۔ اہل طریقت ان کے حال و سیرت کی پختگی و درستی پر اتفاق رکھتے ہیں۔ وہ حق کے پیرو تھے۔ جب حق مستور ہوا۔ اور فاسق وفاجر لوگوں نے حق کی مخالفت کی۔ تو آپ نے تلوار کھینچ لی اور اپنی جان تک قربان کردی۔ سیّدنا امام حسین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے نشانیاں موجود تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا امام حسین کو اپنی پشت پر سوار کر رکھا ہے۔ میں نے عرض کی سواری بڑی عظمت والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا، سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔ (کشف المحجوب)

اہلبیتِ نبوت

اہل بیت نبوت سے محبت وعقیدت رکھنا اوران کا احترام کرنا مسلمانوں کے لیے لازم و واجب ہے۔ جو ان سے محبت نہیں رکھتا اوران کی شان میں گستاخی کرتا

ہے۔ وہ اہلسنّت سے نہیں، خارجی بدمذہب ہے۔ اہل بیت نبوت میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات بھی داخل ہیں۔ انہیں اہل بیت سے خارج سمجھنا غلط اور قرآن مجید کی تصریحات کے خلاف ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔

"اے رسول تم فرماؤ! میں اس پر (یعنی تبلیغ رسالت پر) کچھ طلب نہیں کرتا۔ مگر قرابت کی محبت۔"

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے، اور آپ کے مصارف زندگی بڑھ گئے، تو انصار نے کچھ مال جمع کر کے بحضور نبوی پیش کیا اور عرض کی کہ آپ کے احسانات ہم پر بہت ہیں۔ آپ کی بدولت ہم نے گمراہی سے نجات پائی۔ اس لیے ہم آپ کی خدمت میں یہ مال بطور نذر لائے ہیں۔ قبول فرما کر ہماری عزت افزائی فرمائی جائے۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور حضور اکرم ﷺ نے وہ مال قبول نہ فرمایا اور اپنے قرابت والوں سے مودت و محبت کا حکم دیا۔

غور کیجئے کہ تمام مسلمانوں کے درمیان محبت و مودت لازم ہے۔

قرآن نے عام مسلمانوں کے متعلق فرمایا **بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ** حدیث میں فرمایا مسلمان مثل ایک عمارت کے ہے جس کا ہر ایک حصہ دوسرے کو قوت پہنچاتا ہے۔ تو جب مسلمانوں پر باہم ایک دوسرے سے محبت واجب ہوئی، تو حضور ﷺ کے ساتھ کس درجہ محبت فرض ہوگی۔ فی القربیٰ کے معنی یہ ہوئے تبلیغ و ہدایت پر تم سے اجرت نہیں چاہتا۔ لیکن قرابت کے حقوق تم پر واجب ہیں۔ لہٰذا رسول کے قرابت والوں کا لحاظ کرو انہیں ایذا نہ دو۔

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ قرابت والوں سے حضور ﷺ کی آل پاک مراد ہے۔ (بخاری)

لہٰذا حضور سیّد عالم ﷺ کے اقارب کی محبت دین کے فرائض میں سے ہے۔ (جمل خازن)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اس پر ہوتا ہے جو میری آل کی وجہ سے مجھے ایذا پہنچائے۔ پل صراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا جو میرے اہلبیت اور صحابہ سے زیادہ محبت رکھے۔ (مکتوبات مجدد)

حضور ﷺ نے فرمایا:

''میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوگیا، نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا ہلاک ہوگیا''۔ (احمد)

مطلب حدیث یہ ہے کہ محبت اہل بیت اور ان کا اتباع باعث نجات ہے۔ اسی لیے حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا، محبت اہل بیت سرمایہ اہلسنّت ہے، خاتمہ بالخیر کے لیے اہل بیت سے محبت ضروری ہے۔ (مکتوبات)

واضح ہو کہ قرآن و حدیث سے واضح و ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں داخل ہیں، چنانچہ سورۂ احزاب کی آیت میں اہل بیت کا جو لفظ آیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے اس سے مراد حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو لیا ہے۔

اہل بیت کرام

امام ربانی قطب زمانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السجانی فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ کے اہل بیت کرام کے ساتھ محبت کا فرض ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دعوت الی الحق و تبلیغ اسلام کی اجرت امت پر یہی قرار دی ہے کہ حضور ﷺ کے قرابت داروں کے ساتھ محبت کی جائے۔

قل لااسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔

(مکتوب ۲۶۶ جلد اوّل ص ۲۲۶)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت ازلی طہارت وتقدس سے مخصوص ہیں۔ ہر ایک کو تصوف وحقیقت میں کامل دسترس حاصل تھی اور یہ سب کے سب طریقت، شریعت کے امام وپیشوا تھے۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بحضور سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ایک عریضہ ارسال کیا۔ جس میں عرض کیا:

اے اللہ کے رسول کے فرزند اور ان کی آنکھوں کے نور آپ پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ آپ سب کے سب بنی ہاشم ان کشتیوں کی مثال ہیں جو نہایت گہرے دریا میں رواں ہوں۔ آپ چمکنے والے ستارے، ہدایت کا مینار، دین کے امام وپیشوا ہیں جو شخص آپ کی اقتداء فرمانبرداری کرے گا۔ نجات پائے گا جیسے کشتی نوح میں جس قدر مومن سوار ہوگئے۔ نجات پاگئے۔ (کشف المحجوب)

پارہائے صحف غنچہائے قدس
اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
آبِ تطہیر سے جس میں پودے جمے
اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر
ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
اس بتول جگر پارۂ مصطفیٰ
حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا ماہ و مہر نے

اس ردائے نزہت پہ لاکھوں سلام

سیّدہ زہرا، طیبہ طاہرہ

جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

صحابہ واہل بیت کا احترام اور ان سے محبت ضروری ہے

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ اٰذَانِيْ فِيْ عِتْرَتِيْ اَثْبَتُكُمْ عَلَى الصِّرَاطِ اَشَدُّكُمْ حُبًّا لِاَهْلِ الْبَيْتِيْ وَلِاَصْحَابِيْ۔ (دفتر دوم صفحہ ۳۶)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اس پر ہوتا ہے جو میری آل کی وجہ سے مجھے ایذا پہنچائے۔ پلصراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا جو میرے اہل بیت اور میرے صحابہ سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا''۔

محبت اہل بیت سرمایہ اہلسنّت ہے

محبت اہل بیت سرمایۂ اہلسنّت است

''اہل بیت سے محبت وعقیدت اہلسنّت کا سرمایہ ہے''۔ (دفتر دوم صفحہ ۳۶)

خاتمہ بالخیر کے لیے اہل بیت سے محبت ضروری ہے

محبت نزد ایں بزرگواران جزوِ ایمان ست وسلامتی خاتمہ رابرسوخ آں محبت مربوط ساختہ اند۔ (دفتر دوم صفحہ ۳۶)

''اہل بیت سے محبت رکھنا اہلسنّت کے ہاں جزو ایمان ہے اور ایمان پر خاتمہ کے لیے اہلبیت سے محبت رکھنے کو بڑا دخل ہے''۔

اولیاءاللہ کے فیض وہدایت کامرکز علی مرتضیٰ کی ذاتِ بالا ہے

دہر کرا فیض وہدایت ایں میرسد بتوسط ایشاں میرسد چہ ایشاں نزد نقطہ منتہائے ایں راہ اندو مرکزِ ایں مقام بایشاں تعلق دارد۔ (دفتر سوم مکتوب ۱۲۳)

''جس کسی کو بھی ولایت وقطبیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور جو فیض وہدایت ملتی ہے۔ جناب علی مرتضیٰ کے وسیلہ وواسطہ سے ملتی ہے۔ کیونکہ آپ اس راہ کے نقطہ انتہائی کے قریب ہیں

قطب وابدال واوتاد جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تربیت حاصل کرتے ہیں

اے برادر حضرتِ امیر چونکہ حامل بارِ ولایت محمدی اند تربیت مقام اقطاب و ابدال واوتاد کہ از اولیاء عزلت اندو جانب کمالات ولایت در ایشاں غالب است۔ مفوض بامداد اعانت آنحضرت است۔

''اے برادر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حامل ہیں۔ اس لیے قطب، ابدال، اوتاد جو اولیاء عزلت میں اور جن پر ولایت کا رنگ غالب ہے ان سب کی تربیت جناب علی کی امداد واعانت کے سپرد ہے''۔

حضرت فاطمہ وامامین نیز در ایں مقام با حضرت امیر رضی اللہ عنہ شریک اند رضی اللہ عنہم۔

(مکتوب اوّل صفحہ ۲۵۱)

اور اس معاملہ میں حضرت سیدہ فاطمہ اور دونوں امام حسن وحسین بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شریک ہیں''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اہلسنت ہونے کی شرط ہے

پس محبت حضرت امیر شرط تسنن آمد وآنکہ ایں محبت ندارد از اہلسنت وجماعت خارج گشت وخارجی نام یافت۔

''پس جناب علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم سے محبت رکھنا اہلسنّت و جماعت ہونے کے لیے شرط ہے اور جسے جناب علی سے محبت نہیں وہ اہلسنّت سے خارج ہے اور فرقہ خوارج میں داخل ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد فیض ربانی کا منصب عظیم حسنین کریمین کو حاصل ہوا

وچوں دورۂ حضرت امیر تمام شد ایں منصب عظیم القدر حسنین ترتیباً مفوض و مسلم گشت۔ و بعد از ایشاں ہماں منصب بہر یکے از آئمہ اثنا عشر علی الترتیب والتفصیل قرار گرفت۔ (مکتوب دفتر سوم صفحہ ۱۲۳)

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور ختم ہوا تو (اولیاء اللہ کو فیض رسانی کا) منصب عظیم ترتیب اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا اور ان کے بعد علی الترتیب یہ منصب آئمہ اثنا عشر بارہ اماموں کے حوالہ کیا گیا''۔

آئمہ اثناء عشر فیض و ہدایت کا سرچشمہ ہیں

دور اعصارِ ایں بزرگواران وہم چنیں بعد از ارتحال ایشاں ہر کرا فیض و ہدایت میرسد بتوسط ایں بزرگوارانِ بودہ۔ (مکتوب دفتر سوم ۱۲۳)

''اور ان بارہ اماموں کے زمانوں میں اور ان کے بعد کے زمانوں میں جس کسی کو جو فیض اور ہدایت ملا وہ انہیں بارہ اماموں کے وسیلہ اور واسطہ سے ہی ملتا رہا''۔

ائمہ اثنا عشر کے بعد فیض رسانی کا منصب حضور غوث پاک کے سپرد ہوا

تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسیدہ قدس سرہٗ وچوں نوبت بایں بزرگوار شد منصب مذکور باو قدس سرہ مفوض گشت و مابین ائمہ مذکورین و حضرت شیخ ہیچ کس بریں مرکز مشہود نمیگردد۔ (مکتوبات دفتر سوم ۱۲۳)

''حتیٰ کہ یہ سلسلہ فیض رسانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تک

پہنچا۔ اور جب آپ کی باری آئی تو یہ منصب عظیم آپ کے سپرد کر دیا گیا اور آئمہ اثنا عشر اور حضور غوث پاک کے درمیان کوئی بھی اس مرتبہ کا بزرگ محسوس نہیں ہوتا"۔

حضور کی ازواج مطہرات کے ساتھ ام المومنین کا لفظ بھی ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی فضیلت دراصل خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کا ایک شعبہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔

"اے نبی کی بی بیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو"۔

النسآء میں الف لام جنسی ہے۔ لفظ احد بھی موجود ہے جیسے لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ میں ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ازواج رسول کا درجہ و مقام ہر عورت سے بالاتر ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم جملہ احکام میں مسلمانوں کی مائیں نہیں ہیں ورنہ اجنبیوں سے پردہ کیوں ہوتا، ماں چونکہ بے حد معظم و محترم ہستی ہوتی ہے اور کسی طرح غلط خیالات و جذبات ان کے بارے میں انسان کے اندر پیدا نہیں ہوتے۔ اس لیے بطورِ تعظیم و تکریم ازواج رسول کو امہات المومنین فرمایا گیا۔

اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ۔ (القرآن الحکیم)

"اے محبوب ہم نے تمہاری ازواج کو تمہارے لیے حلال کر دیا"۔

اس آیت سے یہ فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی ازواج النبی ہونا بمنظوری رب العالمین ہے اور ظاہر ہے کہ یہ منظوری فی الواقعہ ان کے لیے فضیلت عظیمہ ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ۝

"اے ایمان والو! تمہیں یہ حق نہیں ہے تم رسول کو ایذا دو اور یہ بھی جائز نہیں کہ رسول کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے نکاح کرو"۔

اس آیت میں ان کی حرمت دوام کا اعلان ہے پھر یہ بھی دیکھئے کہ پہلے اس آیت میں حضور ﷺ کو ایذا دینے سے روکا گیا۔ اس کے بعد حقوق ازواج بیان کیے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ ایذائے رسول کے جس قدر اقسام ہیں ان میں سب سے زیادہ سخت صورت وہ ہوگی جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج کی شان کے خلاف کوئی روّیہ اختیار کیا گیا ہو۔ اور یہ اس لیے کہ اس آیت میں ایذائے رسول ﷺ کے تحت میں خصوصیت سے اسی جزئی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ۔

"مومنین سے نبی ان کی جانوں سے بڑھ کر نزدیک ہے اور نبی کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں"۔

اس آیت میں دونوں جگہ ھم کی ضمیر مومنین کی طرف لوٹ رہی ہے جس سے واضح ہوا ازواج النبی کا لقب امہات المومنین ہے نہ کہ امہات الامت اور لفظ مومنین کے استعمال کا راز یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کو اپنی جانشیریں سے محبوب رکھتا ہو"۔

مومن وہ ہے جو ازواج النبی کو اپنی ماں جانتا ہے۔ وہ نہیں جس سے جسم عنصری کا ظہور رہوا۔ بلکہ وہ ماں جس کی فرزندی کا شرف اس کو ملتا ہے۔ جس کو (ولا) محبت نبی اور ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

یزید پلید

فاسق، فاجر گمراہ تھا۔ اس نے ناحق سیّدنا امام حسین کو شہید کرایا۔ حضرت امام حسین حق پر تھے اور یزید باطل پر۔ حضرت امام حسین کو باغی اور یزید کو حق پر سمجھنے

والے اہلسنت نہیں، بلکہ گمراہ خارجی ہیں۔ یزید اہانت اہل بیت کا مرتکب ہوا۔ اس بدبخت نے مدینہ پر لشکر کشی کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کا ذمہ دار بھی یہ ہے۔ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ یزید پر لعنت کو جائز فرماتے ہیں۔ یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرا کر ایذا پہنچائی ہے۔ اور یہ بات جہنم تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔ قرآن مجید نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ۔

''وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں''۔

وہ یقیناً دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق اور اللہ نے ان کے لیے دردناک عذاب مقرر کیا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یزید مسلمانوں کی اکثریت سے امیر مقرر ہوا، اور امام حسین علیہ السلام پر اس کی اطاعت ضروری تھی یا یزید نے قتل کا حکم نہیں دیا۔ یہ رائے مردود و باطل ہے، یزید کا اہل بیت کی توہین کرنا اور امام حسین کو شہید کرانا تواتر سے ثابت ہے۔ یزید امام برحق کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اس وقت کے صحابہ اور ان کی اولاد جو بھی موجود تھی یزید کی اطاعت سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے۔ مدینہ سے چند لوگ شام میں بالجبر پہنچائے گئے۔ مگر یزید کی بدعملی دیکھ کر واپس مدینہ آ گئے اور عارضی بیعت کو توڑ کر برملا یہ کہا کہ یزید دشمن خدا شرابی زانی تارکِ صلوٰۃ فاسق ہے۔ حتیٰ کہ محارم سے زنا سے بھی باز نہیں آیا۔ (تکمیل الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

آپ صحابی رسول، کاتب وحی ہیں۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (جو کہ امام برحق تھے) کے مقابلہ میں ان سے غلطی ہوئی۔ حضرت علی حق پر تھے، لیکن صحابی ہونے کی وجہ سے ان کی شان میں گستاخی کرنا جائز نہیں۔ احادیث میں ان کے فضائل بھی آئے

ہیں۔ صحابہ کرام کی آپس میں لڑائیاں ہوئی ہیں۔ ایک مسلمان پر ان پر تنقید و تبصرہ کرنا بہت ہی غیر مناسب ہے ان کے جھگڑوں میں ہمیں حکم و منصف بننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یوں بھی ان کی شان میں قرآن و حدیث میں جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں، اس کا تقاضہ بھی یہ ہی ہے کہ صحابہ کرام کے معاملہ میں زبان کو بدگوئی و طعن سے بہر حال روکا جائے' یہ ہی اہلسنّت و جماعت کا مسلک ہے۔



ہر آن نئی شان ہے اندازِ بیان کی

تذکرہ: اصحابِ بدر۔ بیعت رضوان۔ غزوہ اُحد۔ غزوہ خیبر

اصحابِ بدر

صحابہ کرام کا وہ مقدس گروہ ہے جو ۲ھ بمقام بدر جہاد میں شریک ہوا۔ اور غزوۂ بدر کو تمام غزوات پر متعدد وجوہ سے فضیلت و برتری حاصل ہے، یہ کفر و اسلام کی پہلی لڑائی ہے جو رمضان کے مبارک مہینہ میں وقوع پذیر ہوئی۔ قرآن مجید سورہ انفال میں خاص طور پر اس غزوہ کی تفصیل و توضیح بیان ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی' بدر کی لڑائی میں حصہ لینے والے صحابہ کا جہاد خالص اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے حضرت جبرائیل امین کی کمان میں فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اتری تھیں۔ قرآن نے اس معرکہ کو یوم الفرقان سے بھی موسوم کیا۔ اس غزوہ کے موقع پر حضور پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ متواتر دعائیں فرماتے تھے اور اسی عالم میں چادر کندھے سے گر پڑتی تھی۔ کبھی سجدہ میں عرض کرتے تھے۔ الٰہی یہ چند نفوس آج مٹ گئے، تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔

اس معرکہ میں اکابرین صحابہ، حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، حضرت حمزہ، سیّد الشہداء اور مقداد تھے۔ جنہوں نے عرض کیا تھا کہ ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑے، ہم آپ کے دائیں بائیں لڑیں گے۔ اس تقریر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس چمک اٹھا اور انصار میں حضرت سعد

بن عبادۃ تھے، جنہوں نے کہا حضور بخدا آپ فرمائیں، تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ ایک بلند ٹیلہ پر حضور ﷺ کے لئے ایک عریش چھپر بنایا گیا تھا تاکہ حضور ﷺ اس کے سایہ میں دونوں لشکروں کو ملاحظہ فرماسکیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہاں حضور ﷺ کی حفاظت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ حضرت جبریل امین کے سوال پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں اہل بدر کو سب مسلمانوں سے افضل سمجھتا ہوں۔ (بخاری)

نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا:

تم جو چاہو کرو۔

اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ فَقَدۡ غَفَرۡتُ لَكُمۡ۔ (ابوداؤد)

''میں نے تم کو بخش دیا''۔

یہ معرکہ جانبازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ان کے بیٹے عبدالرحمٰن تلوار کھینچ کر نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین تھی۔ عتبہ مقابلہ کے لیے آیا، تو ان کے بیٹے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ ولید حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابل ہوا تھا۔

غزوہ بدر ۲ ھ

مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے جس کا نام بدر ہے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۲ ہجری حضور ﷺ تین سو تیرہ جانثاروں کے ہمراہ شہر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷ رمضان المبارک کو بدر کے قریب پہنچے۔ مسلمانوں نے جس جگہ پڑاؤ کیا وہاں ریت بہت تھی۔ پاؤں دھنس جاتے۔ کفار کا لشکر صاف زمین پر ٹھہرا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا زور کی بارش ہوئی ریت دب گئی۔ مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے پانی کے حوض بنا لیے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ ○

''اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے''۔

ادھر لشکر کفار میں کیچڑ تھی۔ مکہ سے قریش بڑے ساز و سامان کے ساتھ نکلے تھے۔ ہزار آدمی کی جمعیت اور یک صد سواروں کا رسالہ تھا۔ ہر روز دس اونٹ ذبح کرتے تھے اب دو صفیں آمنے سامنے تھیں۔ حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام۔

تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ۔ (آل عمران)

''ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا''۔

حضور نے لشکرِ اسلام کی صف بندی ملاحظہ فرمائی۔ ایک انصاری آگے بڑھے ہوئے تھے۔ حضور نے پتلی سی چھڑی ان کے لگا کر فرمایا برابر ہو جاؤ۔ انصاری نے کہا مجھے تکلیف ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدل و انصاف کے پیغام رساں ہیں تو میں بدلہ لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدلہ دینے کے لیے تیار ہوئے۔ انصاری نے کہا کرتہ اٹھائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کرتہ اٹھایا تو اس نے بڑھ کر مہرِ نبوت کو چوم لیا۔ عرض کی اس معروضہ کا مقصد یہ تھا کہ اس بہانہ یہ شرف حاصل ہو جائے۔

جنگ سے ایک روز پیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ ملاحظہ فرماتے ہوئے فرمایا: اس جگہ ابوجہل، یہاں شیبہ اور یہاں عتبہ کی لاش خاک و خون میں تڑپتی ہوئی ملے گی، چنانچہ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرِ مُو فرق نہ ہوا۔ (بخاری)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ عفراء کے دو نو عمر لڑکے معوذ و معاذ نے میرے کان میں کہا کہ ابوجہل جو ہمارے نبی کو گالیاں دیتا ہے۔ جب سامنے آئے تو ہمیں بتانا میرے اشارہ کی دیر تھی کہ وہ شہباز کی طرح ابوجہل پر جھپٹے۔ دونوں نے اپنی تلواریں اس کے پیٹ میں جھونک دیں۔

جب یہ دونوں لشکر مصروف جنگ تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی جانب پھینک دیں، اسکا اثر یہ ہوا کہ کفار دل چھوڑ کر بھاگے اور مسلمانوں

نے تعاقب کر کے ستر اشخاص کو قید کر لیا۔ قرآن مجید میں فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

''اے رسول وہ کنکریاں تم نے نہیں اللہ نے پھینکی تھیں''۔

اس معرکہ میں کافروں کے ستر آدمی مارے گئے جن میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ابوالبختری زمعہ، عاص بن ہشام رؤساء قریش بھی شامل تھے اور مسلمانوں کے صرف چودہ افراد ۶ مہاجر باقی انصار شہید ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت مجع رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے شہید تھے۔

بیعتِ رضوان کا مختصر واقعہ

یہ ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ سورۂ فتح میں اس واقعہ کا اور اس درخت کا ذکر ہے۔ جس کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی تھی۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جسے حدیبیہ کہتے ہیں۔ یہاں تقریباً ۱۲ ہزار مہاجرین و انصار روشن ستاروں کی طرح ماہتاب نبوت کے گرد جمع تھے۔ چشم فلک نے اس سے بہتر امت نہ کبھی دیکھی تھی نہ آئندہ دیکھ سکے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں یار ابوبکر و عمر عثمان و علی بھی دربار نبوت میں حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کوئی مکہ کے حاکم ابوسفیان سے اجازت لے آئے کہ مسلمان پر امن طریقہ سے عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے اس کام کے لیے جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ستارہ چمکا۔ وہ مکہ پہنچے۔ ابوسفیان سے گفتگو کی اس نے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخلہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تم چاہو تو طواف کر لو۔ کون سا مسلمان ہے جو کعبہ کو دیکھ کر طواف کے جذبہ سے بے چین نہ ہو جائے۔ مگر یہاں عبادت الٰہی اور جذبہ عشق نبوی میں کش مکش شروع ہوئی۔ ذوقِ عبادت کہتا ہے برسوں کے بعد طواف کا موقع آیا ہے خدا جانے پھر ملے یا نہ ملے کر لو طواف کعبہ، لیکن عشق بار بار کعبہ حقیقت

اور قبلہ مقصود کی یاد دلاتا ہے جس کا ہر قدم قبلہ گاہ دو عالم ہے۔ اس کش مکش میں زیادہ دیر نہ ہوئی ادھر طواف کی فرمائش ہوئی۔ ادھر زبان عثمان سے ایک ایسا نورانی جملہ نکلا جو شمع رسالت کے پروانوں کے لیے ایک معیار ہے آپ نے فرمایا میرا کعبہ حقیقت تو حدیبیہ میں جلوہ فرما ہے ان کے بغیر میں کیسے طواف کر سکتا ہوں شک نہیں کہ حج کے مناسک بجائے خود عشق دیوانگی کا سب سے بڑا درس ہے، لیکن امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ ایمان افروز عشق انگیز جملہ عشق ومحبت کی پوری کائنات اور مناسک حج پر بھاری ہے۔

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو، ابر کو، گل کو، چمن کو، صحنِ بستان کو

ادھر حدیبیہ میں آئے ہوئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ عثمان تو مکہ پہنچ گئے، مزے سے طواف کعبہ میں مصروف ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ عثمان میرے بغیر طواف کر لیں۔ زبان نبوت کے یہ مقدس جملے ذات عثمان پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد واخلاص کی روشن دلیل ہیں۔

اسی موقع پر ایک معجزہ کا ظہور رہوا۔ کنواں خشک ہو گیا۔ بحضور نبوت عرض کی گئی، تو حضور نے اپنی پانی سے بھری ہوئی چھاگل میں اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس انگلیوں سے چشمہ کے مانند پانی ابلنے لگا۔ (بخاری)

اسی موقع پر دنیا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس کی مثال نہیں ملتی، عروہ جو قریش مکہ کی طرف سے معلومات کے لیے حدیبیہ آئے تھے۔ قریش سے جا کر کہا میں نے قیصر وکسریٰ ونجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ مگر جو عقیدت ووارفتگی ان مصاحبوں میں ہے کہیں نہیں دیکھی۔ ان کا نبی جب بات کرتا ہے تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی انہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے غسالہ

زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ ان کا بلغم یا تھوک گرتا ہے، تو عقیدت کش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ چہرہ اور سر میں ملتے ہیں۔

حدیبیہ میں غلط خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیکر کے درخت کے سایہ میں جلوہ فرما تھے۔ آواز دی آؤ خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے کٹ مرنے پر بیعت کرو۔ کیا کسی دور میں کسی انسان کا خون اتنا قیمتی تصور کیا گیا ہے کہ جس کا بدلہ لینے کے لیے سیّد الکونین نے ڈیڑھ ہزار مہاجرین وانصار کو داؤ پر لگا دیا ہو؟ یہ بیعت ہوئی اور رب العزت جل مجدہ نے قرآن کے سینہ میں اس بیعت کو محفوظ کر دیا۔ بیعت کرنے والوں کا دلی اخلاص اللہ کو ایسا پسند آیا کہ اعلان فرما دیا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

"اللہ تمام اہل ایمان سے راضی ہو گیا، جنہوں نے اس درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی"۔

ڈیڑھ ہزار مہاجرین وانصار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ خون عثمان کتنا قیمتی ہے۔ خون عثمان اتنا ارزاں نہیں کہ وہ بہے تو مسلمان خاموش رہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی خون عثمان کا بدلہ لینے پر بیعت کرنے والوں کو وہ عزت فرمائی کہ انہیں اپنے رضوان کی پختہ سند عطا فرما دی اور عملی طور پر اس بات کا اظہار فرمایا کہ جس کے خون کو رسول نے قیمتی قرار دیا ہے۔ خدا کے نزدیک بھی وہ بہت قیمتی خون ہے۔

جب تمام اہل ایمان بیعت ہو چکے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرا ہاتھ ہے۔ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ میں عثمان کی بیعت لیتا ہوں۔ بیعت مرے ہوئے کی نہیں لی جاتی زندوں کی لی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیعت کر کے یہ اشارہ کر دیا کہ عثمان زندہ ہیں۔ گویا بیعت تو محض حضرت عثمان کی اسلام میں عظمت کے اظہار کے لیے لی گئی ہے۔ ورنہ عثمان تو زندہ ہیں۔ پیغمبر کی نگاہیں زمان ومکان کو چیر کر آگے نکل جاتی ہیں۔

اور غیب کا بلا تکلف مشاہدہ کر لیتی ہیں۔

غزوہ خیبر کے حصے

خیبر عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے۔ متعدد قلعے بآسانی فتح ہو گئے۔ لیکن قلعہ قموص جو مرحب کا تخت گاہ تھا۔ متعدد صحابہ کی کوشش کے باوجود فتح نہ ہو سکا۔ ایک دن شام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل ہم فوج کا نشان اس شخص کو دیں گے جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے۔ صحابہ نے تمام رات بیقراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کے سر بجتا ہے۔ صبح کو دفعتہً حضرت علی رضی اللہ عنہ طلب کیے گئے ان کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ڈال دیا اور دعا بھی فرمائی۔ آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ جھنڈا اعطا ہوا۔ مرحب میدان میں بڑے طمطراق سے آیا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑے زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر گئی۔

اسی غزوہ کے موقع پر ایک عظیم معجزہ کا ظہور ہوا اور جناب علی مرتضیٰ نے بھی عشق نبوی کی ایک مثال قائم کی۔ لشکر اسلام خیبر کے قریب صہباء میں پہنچا تو وقت عصر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا فرمائی۔ جناب علی کی ران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکیہ بنی۔ سورج غروب ہونے لگا۔ علی سوچنے لگے ایک طرف جذبہ عبادت تھا اور دوسری طرف جذبہ عشق نبوی جذبہ عبادت کہتا تھا کہ سورج غروب ہو گیا تو فرض الٰہی قضا ہو جائے گا اور جذبہ محبت کا اصرار تھا کہ نماز کے لیے اٹھنے سے محبوب دلنواز کی نیند میں خلل آجائے گا اسی کش مکش میں زیادہ دیر نہیں عشق نے کہا سورج ڈوب گیا تو اسے واپس لانے والا موجود ہے۔ رسول کی نیند میں خلل آ گیا تو اس کی تلافی ناممکن ہے۔ آخر یہ ہوا کہ سورج ڈوب گیا۔ نماز عصر قضا ہو گئی۔ علی نے نماز عصر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر قربان کر دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے جناب علی نے عرض کیا میری نماز عصر قضا ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ عرض کی الٰہی علی تیرے نبی کی خدمت میں ہے اس کے لیے سورج کو لوٹا دے۔

ارض و سماء ہیں زیرنگیں کیسا آفتاب
مرضی جوان کی دیکھی تو لوٹ آیا آفتاب

خیبر کی چوٹیوں پر دوبارہ دھوپ نظر آئی اور جناب علی رضی اللہ عنہ نے فریضہ الٰہی وقت پر ادا کرنے کے لیے اپنا سر جھکا دیا۔ (شامی)

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

غزوہ احد شوال ۳ھ

مدینہ منورہ سے شمال کی جانب قریباً ڈیڑھ دومیل پر ایک پہاڑ ہے جس کا نام احد ہے۔ یہ پہاڑ بہت ہی عظمت کا مالک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کے قریب سے گزرتے تو فرماتے: "یہ پہاڑ مجھ سے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں۔" (بخاری)

اس لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات سو صحابہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کو پشت پر رکھ کر صف بندی کی۔ مصعب کو علم دیا۔ زبیر بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غیر زرہ پوش فوج کی کمان دی۔ احد کی پشت سے حملہ کا خطرہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیراندازوں کا دستہ وہاں متعین کر کے یہ خصوصی ہدایت دی کہ خواہ لڑائی ختم ہو جائے تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ یہ جنگ بھی کفار قریش نے بدر کا بدلہ لینے کے لیے چھیڑی تھی۔ جس لڑائی میں مستورات بھی برسر پیکار ہوں، عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے اس لیے قریش اس جنگ میں عورتوں کو بھی محاذ پر لے آئے تھے۔ ابتداء میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو دجانہ کے بے پناہ حملوں سے کفار قریش کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ بہادر نازنین عورتیں جو

رجز یہ اشعار سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی سے پیچھے ہٹ گئیں۔ مگر جب کافر بھاگتے ہوئے نظر آئے تو بعض صحابہ مال غنیمت کے حصول کے لیے حضور ﷺ کی مقرر کردہ جگہ سے ہٹ گئے۔

تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے موقع دیکھ کر عقب سے حملہ کر دیا۔ مصعب بن عمیر جو حضور ﷺ سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے۔ شہید ہو گئے۔ وحشی غلام نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ جوش انتقام میں خاتونانِ قریش نے مسلمان شہیدوں کے ناک کان کاٹ لیے۔ امیر معاویہ کی ماں ہندہ نے اپنے گلے میں ان کا ہار ڈالا۔ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبا گئی۔ عبد اللہ قمیہ نے حضور ﷺ کے چہرہ اقدس پر تلوار ماری۔ مغفر کی دو کڑیاں چہرہ اقدس میں چبھ کر رہ گئیں۔ یہ دیکھ کر جاں نثاروں نے حضور ﷺ کو اپنے دائرہ میں لے لیا۔ ابو دجانہ جھک کر حضور ﷺ کی سپر بن گئے۔

جناب طلحہ تلواروں کے وار اپنے ہاتھ پر روکنے لگے۔ ابو طلحہ نے اس قدر تیر چلائے کہ تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بھی تیر اندازی کر رہے تھے۔ پھر حضور ﷺ ثابت قدم صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابو سفیان نے وہاں حملہ کرنا چاہا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ نے پتھر برسائے، وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ (بخاری، تاریخ طبری صفحہ ۱۴۱۰)

ابو سفیان نے پہاڑی پر چڑھ کر پکارا یہاں ابو بکر و عمر اور حضور ﷺ ہیں۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے، ابو سفیان نے پکارا سب مارے گئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ رہا گیا بول اٹھے او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں۔ اس لڑائی میں ناکامی کی وجہ صرف یہ تھی کہ بعض صحابہ سے غلطی ہوئی۔ حضور ﷺ نے ہدایت کی تھی لڑائی خواہ کوئی بھی رخ اختیار کرے تم اس مقررہ جگہ سے نہ ہلنا، مگر جب کافر بھاگنے

لگے اور مسلمانوں کا پلہ بھاری نظر آنے لگا۔ تو بعض صحابہ نے یہ خیال کیا اب مقررہ جگہ کو چھوڑ کر مالِ غنیمت حاصل کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ قرآن نے ان کی اسی غلطی کی نشاندہی مَنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا کے الفاظ سے کی ہے لیکن جو بات ہر مسلمان کو یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ ہے بعض صحابہ سے غزوہ احد میں جو غلطی و کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر اس کوتاہی کی معافی کا اعلان فرمادیا:

وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (آل عمران)

''اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس لغزش کو معاف فرمادیا۔''

لہٰذا اعلانِ معافی کے بعد صحابہ کرام پر اس معاملہ میں تنقید و اعتراض کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ کے معاف فرما دینے کے بعد بھی صحابہ کرام پر طعن کرنا۔ قرآن مجید کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے ستر افراد شہید ہوئے۔ پھر جب دونوں فوجیں میدان سے الگ ہوئیں تو اس خیال سے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ستر صحابہ کرام کے ایک دستہ کو ان کے لیے تعاقب کے روانہ فرمایا جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، لیکن ابوسفیان کو دوبارہ حملہ کی جرأت نہ ہوئی، قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں غزوۂ احد کا مفصل ذکر ہے۔



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی روشنی میں

حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ کرام کے فضائل ومناقب اور ان کے کامل الایمان مخلص مسلمان ہونے کے متعلق، قرآنی آیات دو قسم کی ہیں۔ اوّل وہ جو کسی خاص صحابی کے حق میں نازل ہوئیں جیسے خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق چار آیات اور آپ کے فضائل میں بارہ آیات۔ امیر المومنین امام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل میں چار آیات۔ حضرات اہلبیت نبوت حسنین کریمین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فضائل میں سورہ دھر کی ۱۵ آیات۔ حضور کی ازواج مطہرات کی شان میں سورہ احزاب کی سات آیات اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں سورۃ نور کی ۱۹ آیات دوم وہ آیات جو مجموعی طور پر شان صحابہ میں وارد ہوئیں۔ چند آیات قرآنیہ پیش کی جاتی ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کامل الایمان اور مخلص ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

مہاجرین وانصار

صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے دو بڑے گروہ مہاجرین وانصار پر مشتمل ہیں یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی سرسبزی وشادابی اور دین حق کی اشاعت وحمایت کے لیے ہجرت کی تکلیفیں اٹھائیں۔ اعزاء واقرباء کو چھوڑا اور جان و مال سے اسلام کی خدمت کی۔ قرآن نے تمام صحابہ کرام انصار ومہاجرین کی عظمت کے خطبے پڑھے ہیں۔ ان کو مومن اور مخلص مسلمان کہا ہے۔ اور قطعی جنتی قرار دیا ہے۔

ہجرت حبشہ

سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ۵ ہجری میں ہوئی تھی۔ جب قریش کے ظلم وستم کی انتہا ہوگئی تو اس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو ہدایت فرمائی کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے اوّل اوّل گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اوران کی زوجہ مکرمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کی تعداد آخر میں ۸۳ تک پہنچ گئی تھی۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی کفار کے ظلم سے تنگ آکر حبش کی طرف ہجرت کا قصد فرمایا تھا۔ ابھی آپ برک الغمار جو مدینہ سے یمن کی طرف پانچ دن کی راہ ہے۔ وہاں تک پہنچے تھے کہ قبیلہ قارو کے رئیس ابن الدغنہ نے آپ کو بڑے اصرار سے روک لیا۔

ہجرت مدینہ

جب دعوتِ حق کے جواب میں ہر طرف سے تلواروں کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں، تو محافظِ عالم نے مسلمانوں کو دارالامان مدینہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا، اکثر صحابہ مدینہ ہجرت کر گئے۔ جن میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مکہ میں صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ باقی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے متعلق حکم الٰہی کے منتظر تھے۔ کہ حکم ہجرت آگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور فرمایا میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ رہو۔ صبح کو لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کر دینا اور خود سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ غارِ ثور میں قیام فرمایا اور وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے۔

انصارِ مدینہ

انصار مدینہ کے باشندے تھے۔ یہ وفود کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسلام کے نقیب بن کر مدینہ میں اسلام کی اشاعت میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ پھر جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو انصار نے مہاجرین کی امداد و اعانت کی...... حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی بھائی کا رشتہ قائم فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رشتہ خارجہ بن زید سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا رشتہ عتبان بن مالک انصاری سے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا رشتہ اخوت، حضرت اوس بن ثابت انصاری کے ساتھ قائم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ یہ رشتے خون کے رشتوں سے بھی زیادہ موثر ثابت ہوئے۔

انصار و مہاجرین مومن کامل تھے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ۔

(الانفال)

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت و جہاد کیے اور جنہوں نے انہیں جگہ دی اور انکی مدد کی، یہ سب سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے"۔

مہاجرین کرام قطعی جنتی ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۲) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

''اور سب سے پہلے ہجرت کرنے والے (مہاجر) اور مدد کرنے والے (انصار) اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے تیار کر رکھے وہ باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے''۔

آیت نمبر ا میں قرآن نے تمام صحابہ کرام و مہاجرین و انصار کو مومن کامل ہونے کی ڈگری دی ہے۔ اور ان کے مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کا اعلان فرمایا ہے جس سے مہاجرین و انصار کا قطعی طور پر مومن اور جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ مومن فرمائے ان کے کافر یا منافق ہونے کا تو کوئی مسلمان وہم بھی نہیں کر سکتا۔

آیت نمبر ۲ میں ذیل کے امور کا بیان ہے:

۱) مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ ان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہو سکتا جن کا انجام برا ہونے والا ہو۔ اور پھر خدا کو ان سے ناراض ہونا پڑے۔

۲) اللہ کی رضا مندی کو اجرِ آخرت لازم ہے۔ اسی لیے فرمایا ہم نے ان کے لیے جنت تیار رکھی ہے۔ یہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مہاجرین و انصار کا خاتمہ ایمان پر ہوا اور یہ قطعی طور پر مومن اور جنتی ہیں۔

مہاجرین و انصار کا خاتمہ ایمان پر ہوا

۳) لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

الصّٰدِقُوْنَ۔(حشر پ ۲۸)

"یہ مال فے ہجرت کرنے والوں میں سے ان ضرورت مندوں کا بھی حق ہے جو اپنے گھروں سے بھی نکالے گئے اور اپنے مالوں سے بھی الگ کیے گئے تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشی کے خواستگار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں وہی تو سچے ہیں"۔(ترجمہ مقبول)

واضح رہے کہ مذکورہ ترجمہ مشہور شیعہ عالم اور مفسر مولوی مقبول احمد کا ہے صرف ترجمہ سے امور ذیل ثابت ہو رہے ہیں۔

۱) مہاجرین کے اعمال وایمان خلوص پر مبنی تھے۔ انہوں نے جو ہجرت کی اور اپنے گھروں کو چھوڑا، اپنے مال ومتاع عزیز واقارب سے جدا ہوئے۔ یہ سب کچھ انہوں نے صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے کیا۔

۲) اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ میں یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ جو اپنے گھر سے نکالے گئے ان کا قصور سوا اس کے اور کچھ نہ تھا کہ یہ اللہ کی رضا کے طالب تھے۔

۳) یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یہ اللہ کی طرف سے اس امر کی قطعی گواہی ہے کہ ان مہاجرین کا مطلوب ومقصود رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

۴) یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مہاجرین اللہ ورسول کے مددگار ہیں۔اسی کیساتھ اس آیت کو ملاؤ جس میں یہ ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، تو اللہ تمہاری مدد کرے گا جو اس امر کی پیش گوئی ہے کہ مہاجرین و انصار ہمیشہ مظفر ومنصور رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ان کے ساتھ ہوں گے۔

خلفاء اربعہ مہاجر ہیں ان کی خلافت، خلافت راشدہ ہے

۵) هُمُ الصّٰدِقُوْنَ مہاجرین کی جماعت کو صادق فرمایا اور ان کے صدق کو کسی چیز کے ساتھ مخصوص نہ کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ان کی ہر بات سچی اور واجب

القبول ہے اور ان کا ایمان اور عمل سچا ہے۔اس میں نفاق کا شبہ تک نہیں ہے۔اب اس کے ساتھ اس آیت کو ملا لیجئے جس میں حکم ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچوں کے ساتھ رہو۔تو اس سے واضح ہوا کہ مہاجرین امت کے مقتداء ہیں۔ان کی پیروی از روئے قرآن امت پر واجب ہے۔چنانچہ خلفائے اربعہ مہاجرین ہی سے تھے۔چاروں کی خلافت کا خلافتِ راشدہ ہونا ثابت ہوا۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں مہاجرین کے متعلق تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی ہے اول یہ کہ اللہ کے خالص و مخلص بندے تھے۔ان کا مقصود اللہ کی رضا کے سوا اور کچھ نہ تھا اور اس مقصود کے حاصل کرنے میں ان کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں۔لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ دوم یہ کہ مہاجرین اللہ اور رسول کے مدد گار تھے اور احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔سوم یہ کہ وہ صادق تھے۔اسی لیے وہ امت کے لیے واجب الاقتداء تھے۔ یہ تو خاص مہاجرین کرام جن میں حضرات خلفاء اربعہ شامل ہیں۔ان کے متعلق ارشادات قرآنی ہیں۔اب انصار کے متعلق قرآن کا فیصلہ سنیے۔

۴) وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(اور یہ مال فئی ان کا حق بھی ہے) جو ہجرت کرنے والوں سے پہلے دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان پر قائم ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان ہجرت کرنے والوں کو دیا جائے اس کی اپنے دلوں میں خواہش نہیں پاتے اور گو ان کو خود ضرورت ہو۔تاہم دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں تو جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا جائے تو ایسے ہی لوگ تو پوری پوری فلاح

پانے والے ہیں۔(ترجمہ مقبول)

انصار فلاح یافتہ ہیں

ان آیات میں انصار کے فضائل ومناقب ان کے خلوص اور للّٰہیت کا بیان ہے۔یہ پہلے سے دار ہجرت میں مقیم ہیں۔ہجرت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ مہاجرین کی امداد کرتے ہیں۔ان سے بغض وحسد نہیں رکھتے یہ بہت فیاض ہیں اپنی ضرورت پر مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔نفسانی خواہشات سے پاک ہیں اور فوز وفلاح کے مالک ہیں۔

گویا اس آیت میں انصار سے متعلق تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی۔

اوّل یہ کہ انصار مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں۔گویا انصار کے فضائل میں مہاجرین کا محب ہونا بیان فرما کر مہاجرین کے مرتبہ کو دوبالا کر دیا گیا۔تو جن کا محب ہونا فضائل میں ہو،ان محبوبین کا مرتبہ کیسا عظیم الشان ہوگا۔

دوم یہ کہ انصار کے نفوس قدسیہ حرص وحسد سے پاک تھے۔بغض وحسد دنیاوی محبت سے پیدا ہوتے ہیں۔تو جو لوگ بغض وحسد سے پاک ہوگئے ہر قسم کی فلاح ان کو حاصل ہوگئی۔

سوم یہ کہ انصار فلاح یافتہ ہیں۔فلاح آخرت کی تخصیص نہ فرمائی۔لہٰذا دنیا و آخرت دونوں کی فلاح ان کے لیے لازم ہوگئی۔اب جن کو اللہ تعالیٰ فلاح پانے والا کہے وہ بھی منافق ہوسکتے ہیں؟

الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انصار کے ایمان،سخاوت،مہمان نوازی اور ان کی کامیابی کی گواہی دی ہے۔اب اس کے بعد ایک تیسرے گروہ کے متعلق ارشاد ہے۔

مہاجرین وانصار پر طعن جائز نہیں

۵) وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ۔

(یہ مال فئی' ان کا حق بھی ہے) جو ان مہاجرین وانصار کے بعد یہ عرض کرتے ہوئے آئے۔ اے اللہ تو ہمارے گناہوں اور ہمارے بھائیوں کے گناہوں کو جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کوئی کینہ نہ رہنے دے۔

مسلمان کے لیے صحابہ کرام کی فضیلت کا اعتقاد لازمی ہے

ان آیات میں مہاجرین وانصار کے ذکر کے بعد ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے جس میں قیامت تک ہونے والے سب مسلمان شامل ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ ترکیب نحوی میں جملہ حالیہ ہے جس کا مطلب یہ نکلا کہ اس تیسری جماعت کو اسلام میں داخل ہوتے ہی مہاجرین وانصار کی فضیلت کا اعتقاد اور ان کا ذکر خیر کرنا چاہیے۔ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ کا مطلب یہ ہے، شخص سابق مابعد والوں کے ایمان کا سبب بنا ہو۔ یہ صفت تمام صحابہ کرام اور خصوصاً مہاجرین اور انصار میں اظہر من الشمس ہے۔ وہی تمام دنیا میں اشاعت اسلام کا سبب ہوئے ہیں۔

لَاتَجْعَلْ۔ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تیسری جماعت کے دل میں مہاجرین و انصار کی عداوت نہیں۔ بلکہ یوں فرمایا کہ یہ تیسری جماعت کے لوگ ہم سے دعا مانگتے ہیں کہ الٰہی مہاجرین وانصار کی عداوت ہمارے دلوں میں نہ رہنے دے۔ یعنی مہاجرین وانصار سے عداوت...... ایسی بری بات ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نجات

ممکن نہیں ہے۔

مسلمان کی پہچان

اس آیت میں مسلمان کی پہچان یہ بتائی کہ وہ تمام صحابہ کے دعا گو ہیں ان کے سینے صحابہ کے کینوں سے پاک ہیں۔ گویا اس آیت میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مہاجرین وانصار کے مرتبہ کو پہنچانیں اور ان کے لیے دعائے خیر کرتے رہیں۔ استغفار کے لفظ نے یہ بتا دیا کہ بالفرض اگر مہاجرین وانصار سے کوئی خطا ہوئی ہو تو بعد والے مسلمانوں کو ان پر طعن و تشنیع جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لیے استغفار کرنا چاہیے۔

کتب عقائد اہلسنت میں جو یہ لکھا ہے کہ نَكُفُّ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ اِلَّا بِخَيْرٍ ہم صحابہ کرام کا ذکر بھلائی کے سوا کسی طرح نہیں کرتے۔ اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ صحابہ کرام بالخصوص مہاجرین وانصار کی مدح کرنا ان کے فضائل ومناقب کو بیان کرنا بعد والے مسلمانوں کے فرائض سے ہے۔

غور کیجئے آیت بالا میں مسلمانوں کی تین قسمیں بیان فرمائی گئیں ہیں۔ مہاجرین و انصار ان کے بعد پیدا ہونے والے مسلمان۔ معلوم ہوا کہ مہاجرین وانصار کی بدگوئی کرنے والے ان تینوں قسموں سے خارج ہیں۔

مال فئی کے متعلق

دوسری اہم بات ان تینوں سے یہ ثابت ہوئی کہ مال فئی کی مستحق تین جماعتیں ہیں۔ اوّل مہاجرین دوم انصار سوم ان کے بعد کے وہ مسلمان جو مہاجرین وانصار کے بعد ہوئے مگر ان کے لیے یہ شرط ہے۔ وہ مہاجرین انصار کے لیے دعائے خیر کرتے ہوں اور ان کو سابق الایمان کہہ کر ان کی مدح وثنا کرتے ہوں اور جو ان کے بدگو ہوں، وہ مال فئی کے مستحق نہیں ہیں۔

۲) مالِ فئی وہ مال ہے جو بغیر لڑائی کے کافروں سے حاصل ہو۔ ان آیات میں مالِ فئی کے مصارف بھی قرآن نے بیان کر دیے کہ اس کے مستحق مہاجرین و انصار اور ان کے بعد والے مسلمان ہیں۔

ظاہر ہے کہ فدک بھی مالِ فئی سے تھا، کیونکہ یہ کفار سے بغیر لڑائی کے حاصل ہوا تھا۔ لہٰذا فدک کے حقدار بھی بحکم قرآن مہاجرین و انصار اور وہ مسلمان ہیں جو انصار و مہاجرین...... سے محبت رکھیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فیصلہ

آیات مذکورہ بالا کی تفسیر کے بعد حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ارشادات بھی سن لیجیے جو آیات مذکورہ بالا کی تفسیر ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

۶) لَقَدْ رَاَیْتُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَا اَرٰی اَحَداً مِنْکُمْ یُشْبِھُھُمْ لَقَدْ کَانُوْا یُصْبِحُوْنَ شُعْثًا غُبْرًا وَقَدْ بَاتُوْا سُجَّدًا وَّقِیَامًا یُرَاوِحُوْنَ بَیْنَ جِبَاھِھِمْ وَخُدُوْدِھِمْ وَیَقِفُوْنَ عَلٰی مِثْلِ الْجَمَرِ مِنْ ذِکْرِ مَعَادِھِمْ کَانَ بَیْنَ اَعْیُنِھِمْ رُکَبُ الْمُعْزٰی مِنْ طُوْلِ سُجُوْدِھِمْ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ ھَمَلَتْ اَعْیُنُھُمْ حَتّٰی تَبُلَّ جُیُوْبُھُمْ وَمَادُوْا کَمَا یَمِیْدُ الشَّجَرُ یَوْمَ الرِّیْحِ الْعَاصِفِ خَوْفًا مِنَ الْعِقَابِ وَرَجَآءً لِلثَّوَابِ۔ (نہج البلاغہ ۱۹۰)

"البتہ دیکھا ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اور تم میں سے کسی کو ان کے مشابہ میں نہیں دیکھتا (یعنی ان کا درجہ بہت بلند ہے) صبح کو میدانِ جہاد میں اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے غبار آلود ہوتے تھے، تو راتوں کو دربار خداوندی میں سجدوں میں مشغول نظر آتے تھے یکے بعد دیگرے اپنے رخسار اور اپنی پیشانیاں زمین پر باری باری سے رگڑتے تھے اور قیامت کے خوف سے اس طرح کھڑے ہوتے تھے جس طرح کوئی شخص آگ کے انگارے پر کھڑا بیقرار نظر آتا ہے، لمبے سجدوں کی وجہ

سے پیشانی پر داغ نمایاں تھے۔ جب ان کے آگے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا تھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے حتیٰ کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے تھے۔ اور خوفِ خدا سے اس طرح ہلتے تھے۔ جس طرح تیز اور تند ہوا میں درخت ہلتا ہے۔ وہ لوگ عذاب سے خائف تھے اور ثواب کے امیدوار تھے''۔

خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق ہے

جب آیات قرآنیہ سے مہاجرین وانصار کا مومن مسلمان ہونا ثابت ہو گیا، تو اب سیدنا علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد حق کو ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں:

وَاِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَسَمُّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رِضًا۔ (نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۸)

''شوریٰ کا حق تو صرف مہاجرین وانصار کو ہے۔ اگر دونوں (مہاجرین و انصار) کسی ایک شخص کی امامت یا خلافت پر اکٹھے ہو جائیں اور اس کو امام بنا لیں تو اس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے''۔

جناب شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فیصلہ فرما دیا کہ مہاجرین و انصار جسے خلیفہ مقرر کر لیں اس میں اللہ کی رضا ہے۔ حضرت صدیق وفاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو مہاجرین وانصار ہی نے خلیفہ منتخب کیا تھا۔ لہٰذا ان کی خلافتوں میں رضاء الٰہی کا ہونا ثابت ہوا اور جن کی خلافت میں اللہ کی رضا ہو۔ وہ خلافتِ حق اور خلافتِ راشدہ ہی ہوتی ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق قرآنی تصریحات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔(آل عمران ۴)

بہ تحقیق احسان کیا اللہ نے ایمان والوں پر جب کہ بھیجا ان میں ایک رسول انہیں کے جنس سے جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر چہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے"۔

۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو اپنا احسان قرار دیا اور جو فوائد آپ کی ذات مبارک سے مخلوقِ خدا کو حاصل ہوئے۔ ان کو بیان فرمایا ہے۔ جن میں ایک فائدہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو پاک کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ پاک کرنا ظاہر جسم کا پاک کرنا نہ تھا اور نہ ظاہر جسم کا پاک کرنا کوئی ایسی چیز ہے۔ جو سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں ذکر کی جائے اور خداوندِ عالم جل شانہٗ اس کو اپنے انعامات و احسانات میں شمار فرمائے۔ ظاہری جسم کی پاکی تو ہر شخص خود وضو یا غسل سے حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ پاک کرنا باطن کا تھا کہ آپ کی صحبت سے آپ کی توجہ سے لوگوں کے قلوب پاک ہوتے تھے۔ لوگوں کے نفوس سے بری عادات و خصائل کفر و شرک کی ظلمت و نجاست کا ازالہ ہوتا تھا۔

احادیث میں سینکڑوں واقعات اس قسم کے ملتے ہیں کہ کوئی کافر آپ کی خدمت میں، جو شرک و کفر کی نجاست میں سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوا، اور اسلام کی عداوت سے اس کا سینہ بھرا ہوا آیا اور چشم زدن میں آپ کی توجہ اس میں انقلاب عظیم پیدا کر دیتی تھی اور وہ مسلمان ہو کر دین الٰہی کی محبت میں سرشار ہو جاتا تھا۔

اسی آیت کی بنا پر اہلسنّت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کل کے کل نہایت مقدس اور نہایت مزکیٰ تھے اور زمانہ بعد کا کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی ان کے رتبہ کو نہیں پا سکتا۔ وہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے پاک کیے ہوئے تھے۔ اگر کوئی روایت

ان کے تقدس کے خلاف ملے، تو یقیناً جعلی ہے اور قرآن مجید کے خلاف ہونے کے باعث مردود ہے اور اگر تینوں خلفاء اور ان کے ساتھیوں کو مرتد و منافق اور ظالم و غاصب مان لیا جائے تو (معاذ اللہ) پھر حضور ﷺ کی صفتِ تزکیہ باقی نہیں رہتی۔ بلکہ آیت کی تکذیب لازم آتی ہے...... اور اگر یہ کہا جائے کہ آیت بالا میں جمع کے الفاظ سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکیلی ذات مراد ہے۔ حضور ﷺ نے صرف انہیں کو پاک کیا تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ بقول مخالفین صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی گمراہی میں نہ تھے اور آیت یہ بتا رہی ہے کہ جو لوگ صریح طور پر گمراہ تھے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں پاک فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دو چار اور افراد کو بھی مومن مانا جاتا ہے۔ لیکن اوّل تو ان کا ایمان حسب روایات مخالفین کامل نہ تھا۔

چار پانچ اشخاص کی پاکی کوئی ایسی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتی جس کا قرآن میں ذکر اس اہتمام سے کیا جائے۔ خصوصاً جب کہ ایک بڑا گروہ جو ہر وقت آپ کی صحبت میں رہتا تھا۔ اس کو آپ (معاذ اللہ) پاک نہ کر سکے۔ جس طبیب کے زیر علاج ایک لاکھ مریض ہوں ان میں سے اگر تین چار مریض شفا پائیں اور باقی سب اسی طرح اپنے مرض میں مبتلا رہ کر ہلاک ہو جائیں تو وہ طبیب ہرگز لائق تعریف نہیں ہو سکتا اور ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے ہاتھ میں شفا ہے۔

۲) صحابہ کرام کے علم کی عظمت بھی اس آیت سے معلوم ہوتی ہے جن کو رسول خدا ﷺ نے خود قرآن کی تعلیم دی ہو۔ ان کے برابر کس کا علم ہو سکتا ہے۔ یہ ہی مضمون قرآن مجید کی متعدد آیات میں بیان ہوا ہے۔

سورہ آل عمران میں قریب قریب الفاظ یہ ہی ہیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَّكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ

مِنْهَا۔ (آل عمران ۴)

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تم باہم دشمن تھے' پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پس تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ خدا نے تم کو اس سے نجات دی''۔

هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(انفال پ ۱)

وہی اللہ ہے جس نے اے نبی آپ کو اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے قوت دی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اگر آپ تمام روئے زمین کی دولت خرچ کر دیتے' تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ نے ان میں باہم الفت پیدا کر دی۔ بیشک وہ غالب حکمت والا ہے۔ اے نبی اللہ آپ کے لیے کافی ہے اور جو ایمان والے آپ کے پیرو ہو چکے ہیں''۔

ان آیات میں صحابہ کرام کے جو فضائل ومناقب بیان ہوئے ہیں۔ ان کے تسلیم کر لینے کے بعد صحابہ کرام اور خصوصاً حضرات خلفاء ثلاثہ پر طعن کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

اسلام سے قبل صحابہ کرام میں عداوت تھی

دونوں آیتوں میں جو بات بیان فرمائی گئی ہے ان میں مضمون مشترک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اسلام لانے سے پہلے صحابہ کرام میں ایسی سخت وشدید عداوت تھی جسے دور کرنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محترم حضور سیّد عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اطہر کے ذریعے اپنی قدرت کاملہ سے اس عداوت

کو دور کر کے ان میں ایسی محبت و الفت پیدا فرما دی کہ یہ سب بھائی بھائی ہو گئے اوران کی اس باہمی الفت کواللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت قرار دیا۔

اسلام کے بعد صحابہ میں عداوت باقی نہ رہی

قرآن مجید نے صحابہ کرام کی اس باہمی محبت کو متعدد دیگر آیات میں بھی بیان فرمایا ہے۔ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اس لیے یہ کہنااورعقیدہ رکھنا کہ صحابہ کرام میں اسلام لانے کے بعد بھی دیرینہ عداوتیں بدستور باقی رہیں۔ بنی امیہ و بنی ہاشم کی خاندانی کدورتوں کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ جناب علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کو پہلی خلافت نہ مل سکی۔ قرآن کی تصریحات کے خلاف ہی ہے۔

مخلصین صحابہ بھی کثیر تعداد میں تھے

ان دونوں آیتوں سے یہ بھی واضح ہوا کہ مخلصین صحابہ کی ایک بڑی جماعت تھی اس لیے یہ کہنا کہ صرف چار پانچ افراد مخلص تھے۔ باقی سب منافق تھے (معاذ اللہ) قرآن مجید کی کھلی ہوئی تکذیب ہے کیونکہ جن چار افراد کو مخلص قرار دیا جاتا ہے، ان میں نہ تو پہلے کوئی عداوت تھی اور نہ ان چار پانچ میں محبت پیدا کر دینا ایسا اہم کام ہے جسے قرآن میں بیان کیا جاتا اوراسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ قرار دیا جاتا ہے۔

تینوں خلفاء مومن کامل تھے

حضرات خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مومن کامل اور خلیفہ برحق نہ ماننے سے قرآن مجید کی تکذیب لازم آتی ہے۔ ورنہ کوئی بتادے کہ وہ کون لوگ تھے جن میں اسلام سے قبل ایسی عداوت تھی جو کسی طرح زائل نہ ہو سکتی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی عداوت کو دور کر کے انہیں بھائی بھائی بنا دیا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضور علیہ السلام کی حیات مبارک میں بیشک ان کی عداوتیں

زائل ہوگئیں تھیں۔ اور وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہو گئے تھے مگر آپ کی وفات کے بعد ان میں وہ عداوتیں پھر لوٹ آئیں۔ لہٰذا آیت کا مضمون درست ہے۔ اور ہمارا عقیدہ آیت کے خلاف نہیں ہے۔

جواب یہ ہے یہ بات مخالفین صحابہ کے مسلمات کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اوّل روز ہی سے صحابہ کرام کو مومن نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ منافقانہ ایمان لائے ہیں ثانیاً جو نعمت اتنی قلیل مدت کے لیے ان کو ملی اور پھر ان سے چھین لی گئی۔ ایسی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا احسان جتانا اور اسے بڑے اہتمام سے قرآن میں بیان فرمانا۔ خداوند عالم الغیب کی شان سے بعید ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں مضمون غیر مشترک یہ ہے کہ:

پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے اصحاب نبی تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ خدا نے تم کو اس سے نجات دی اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اے نبی آپ کی مدد کے لیے وہ مومنین کافی ہیں۔ جو آپ کے پیرو ہو چکے ہیں ان دونوں مضمونوں کی تصدیق مخالفین صحابہ کرام کے مذہب کی تعلیم پر ناممکن ہے۔ کیونکہ تینوں خلفاء کے مومن اور خلیفہ برحق نہ ہونے سے تمام صحابہ کرام کو باستثناء چار پانچ اشخاص کے منافق و مرتد ماننا پڑتا ہے۔ لہٰذا وہ دوزخ سے نجات یافتہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

بعبارت دیگر خدا جس کے نجات یافتہ ہونے کی خبر دے وہ منافق و مرتد نہیں ہو سکتا۔ نیز اگر معاذ اللہ تمام صحابہ کرام مرتد قرار دیے گئے۔ منافق مانے گئے، تو چار پانچ اشخاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تنہا اگر مدد کے لیے کافی ہوتے، تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کیوں کر لیتے۔ بقول مخالفین صحابہ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جبراً بیعت لی گئی، تو ان کے مددگار کامل نہ ہونے کی دلیل ہے۔

صحابہ کے دلوں میں ایمان رچ بس گیا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (حجرات ۲۶)

اور اے مسلمانوں جان لو کہ بہ تحقیق تمہارے درمیان اللہ کا رسول ہے۔ اگر وہ اکثر باتوں میں تمہارا کہنا مان لیا کرے تو تم تکلیف میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے اور کفر و فسق و نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا ہے یہی لوگ راشد یعنی ہدایت یافتہ ہیں اللہ کی بخشش اور احسان سے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (فتح ۲۶)

پھر اللہ نے اپنا سکینہ اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر نازل کیا اور صفت تقویٰ ان کے لیے لازم کر دی اور وہ اس انعام کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار تھے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے لیے اور دوسری آیت میں خصوصیت کے ساتھ اہل حدیبیہ کے لیے چند ایسی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ جن کی نظیر کسی اور میں نہیں مل سکتی۔

۱) ان کو ایمان سے قلبی محبت ہے۔

۲) ایمان ان کے دلوں میں رچ بس گیا ہے۔

۳) کفر و فسق اور ہر قسم کے گناہ سے ان کو دلی نفرت ہے۔

۴) وہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

۵) ان پر سکینہ نازل ہوا۔

۶) صفتِ تقویٰ ان کے لیے لازم ہے۔ یعنی ان سے جدا نہیں ہوسکتی۔

۷) یہ لوگ اس عظیم الشان انعام کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جن کے ایسے عظیم الشان اوصاف بیان فرمائے، کوئی صاحب ایمان یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ ان سے ایمان کے خلاف کوئی حرکت صادر ہو۔ اگر کوئی صاف ناانصافی پر کمر باندھ کر کہیں کہ ان تمام اوصاف کا حامل مانتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ مخالفین صحابہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معصوم مانتے ہیں اور ان آیات میں جو صفات جن حضرات کے بیان ہوئے ہیں۔ ان کا غیر معصوم ہونا بھی ان آیات سے ثابت ہے کیونکہ آیت اوّل میں یہ فرمایا گیا ہے کہ رسول اگر اکثر باتوں میں تمہارا کہنا مان لیں۔ تو تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ تو اگر یہ حضرات جن کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ معصوم ہوتے تو ان کا کہا مان لینے سے کبھی کوئی خرابی نہیں پیش آسکتی۔

الغرض ان آیات کے ہوتے ہوئے تاریخ و سیر کی لاکھوں روائتیں صحابہ کرام سے خلاف ایمان و تقویٰ کسی حرکت کا صادر ہونا بیان کریں، تو اہل ایمان کا یہ فرض ہے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے، کیونکہ قرآن مجید کے خلاف تاریخ و سیر کی کوئی بات قبول نہیں ہوسکتی۔

وَاِنْ یَّکْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِکٰفِرِیْنَ۔

(انعام ۷)

اگر یہ لوگ یعنی کفار مکہ نبوت کا انکار کریں (تو کچھ پروا نہیں۔ بہ تحقیق ہم نے اس پر اس قوم کو مقرر کیا ہے' جو اس کے ساتھ کفر کرنے والی نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی تعریف فرمائی ہے اور یہ کہ وہ قوم انبیاء کرام کی نبوت کا انکار (کفر) کرنے والی نہیں رہی۔ یہ بات کہ اس قوم سے کون لوگ مراد ہیں، تو یہ بھی بالکل واضح ہے۔ کیونکہ سورۂ انعام مکی ہے قبل ہجرت نازل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ قوم سے مہاجرین کی جماعت مراد ہے جو ہجرت سے پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کو اپنا مقرر کیا ہوا اس لیے قرار دیا ......کہ اس سعادتِ عظمیٰ کی توفیق ان کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملی ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ۔ (مزمل ۲۹)

بہ تحقیق (اے نبی) آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ قریب دو تہائی رات کے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کبھی ایک تہائی رات اور ایک گروہ ان لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت عبادت کا تذکرہ فرمایا ہے اور آپ کے ساتھ والوں میں سے دو چار نہیں۔ بلکہ ایک گروہ کو اس صفت میں آپ کے ساتھ شامل کیا ہے۔ سورہ مزمل مکی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تعریف اصحاب مہاجرین کی بیان ہو رہی ہے۔ صحیح روایات سے واضح ہے کہ زہد اور کثرت عبادت کی صفت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں سب سے زیادہ تھی۔ خدا کی قدرت اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کرامت کہ فروع کافی جلد دوم صفحہ ۴ میں ایک طویل ایک طولانی حدیث اس مضمون کی ہے کہ کچھ صوفی لوگ امام جعفر صادق کے پاس آئے۔ امام ممدوح نے ان کو کچھ نصیحتیں کیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت سلیمان اور حضرت ابوذر اور حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر کیا اور فرمایا ھٰؤُلَآءِ وَقَدْ قَالَ فِیْھِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا قَالَ یعنی ان لوگوں سے بڑھ کر زاہد کون ہو سکتا ہے اور بہ تحقیق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

حق میں فرمایا ہے جو کچھ فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی کثرت عبادت کا تذکرہ متعدد آیات میں کیا ہے۔ آیت معیت میں تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا فرمایا۔ آیت میراثِ ارض میں قوم عابدین فرمایا۔ آیتِ استخلاف میں یعبدوننی ارشاد فرمایا آیت تمکین میں اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فرمایا۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ فِىْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ (عبس ۳۰)

بے تحقیق یہ ایک نصیحت ہے جو چاہے اس کو یاد کرے ان باعزت صحیفوں میں جو بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں اور بزرگ نیکوکار لکھنے والوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں۔

اس آیت میں حضور سیّد عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کی تعریف ہے۔ ان کو بزرگ اور نیکوکار فرمایا گیا ہے۔ یہ ان صحابہ کرام کی بات ہے جو قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے۔ جیسے حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

اس آیت کی تفسیر میں سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ سے فرشتوں کو مراد لینا سیاق وقرآن کے مطابق نہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ یہ نصیحت ان پاکیزہ ورقوں میں ملے گی۔ جو بزرگ نیکوکار لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ فرشتوں کے ہاتھ میں جو چیز ہے۔ وہ انسانوں کی نظر سے غائب ہے۔ اس سے نصیحت کیونکر حاصل ہوسکتی ہے۔

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ (نصر ۳۰)

اور دیکھا اے نبی آپ نے لوگوں کو داخل ہورہے ہیں اللہ کے دین میں فوجوں کی فوجیں''۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو انعام ذکر فرمائے ہیں۔ اوّل فتح مکہ دوم لوگوں کا بکثرت دین الٰہی میں داخل ہونا۔ پھر ان انعامات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے ظاہر ہے کہ مخالفین صحابہ کرام کے مذہب کی بناء پر کسی طرح یہ آیت صادق نہیں ہو سکتی کیونکہ آیت بتا رہی ہے کہ فوجوں کی فوجیں دین الٰہی میں داخل ہوئیں اور مخالفین صحابہ کا مذہب یہ تعلیم دیتا ہے کہ صرف معدودے چند صدق دل سے مسلمان ہوئے تھے۔ باقی سب منافقانہ طور پر اظہار اسلام کرتے تھے اور وہ بھی حضور کے بعد معاذ اللہ مرتد ہو گئے۔

بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ معدودے چند لوگوں کو افواج کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یا منافقانہ طور پر اظہار اسلام کرنے کو دین الٰہی میں داخل ہونا کہا جا سکتا ہے؟ اور پھر یہ منافقانہ اسلام اور وہ بھی چند روز کے لیے انعام الٰہی میں شمار ہو سکتا ہے؟

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ خَوفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِي لَا يُشْرِكُوْنَ بِي شَيْئًا۔

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا۔ ان سے اگلوں کو اور جما دے گا۔ ان کے لیے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا۔ ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے۔ شریک نہ کریں گے میرا کسی کو"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے مومنین، مخلصین سے تین نعمتوں کا وعدہ فرمایا:

۱) استخلاف فی الارض

۲) تبدیلِ خوف

۳) تمکینِ دین

ظاہر ہے کہ اس وقت کے کلمہ گویان میں سے خلافت ہر چہار خلفائے راشدین ہی کو ملی۔ البتہ تبدیل خوف کی دولت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میسر نہ آسکی کہ ان کا دور شورش اور باہمی اختلاف سے خالی نہیں رہا۔ مخالفین صحابہ کی معتبر روایات سے واضح ہے کہ معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں بھی اپنا اصل دین نہ ظاہر کر سکے جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمکین دین سے بھی آپ کا عہد مبارک خالی رہا (معاذ اللہ) اندریں حالات اس آیت کے پورے پورے مصداق حضرت خلفائے ثلاثہ ہی ہوئے اور اس طرح ان کا ایمان اور خلافت دونوں اس آیت سے صراحتاً ثابت ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض حضرات ثلاثہ کو اس آیت کا مصداق نہ مانا جائے، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا نہ ہوا، اور کلامِ الٰہی کی پیش گوئی غلط ٹھہری، کیونکہ سوائے ان حضرات کے اس وقت کے مسلمانوں میں سے کسی کو خلافت نہیں ملی اور وعدہ اسی وقت کے مسلمانوں سے مخصوص ہے جس کی دلیل لفظ مِنْكُمْ ہے جو حاضر کی ضمیر ہے لغت اور اصول فقہ دونوں کے لحاظ سے حاضر کی ضمیر حاضر ہی سے مخصوص ہوتی ہے۔ ہاں آیات احکام میں حاضر کے ساتھ غائب کو خارجی دلیل سے شامل کرلیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فن کے سمجھنے والوں سے مخفی نہیں (اور اہلسنت تو یہ مانتے ہی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت حقہ بھی اس آیت سے ثابت ہے)۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا۔

البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں تو ہم لگا دیں گے۔ تجھ کو ان کے پیچھے پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے' پکڑے

گئے اور مارے گئے جان سے۔

اگر حضرات خلفائے راشدین نعوذ باللہ مرض نفاق میں مبتلا ہوئے، تو وہ اس آیت کی رو سے لازمی طور پر چند روز سے زیادہ مدینہ منورہ میں نہ رہ سکتے اور وہ بھی ذلت کے ساتھ جیسا کہ لفظ ملعونین کا تقاضا ہے، حالانکہ وہ تمام زندگی بڑی عزت و شوکت سے مدینۃ الرسول میں رہے ہیں اور آج بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی گنبد خضرا میں محوِ استراحت ہیں۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا' بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس آیت میں اس قابل رشک رفاقت و جانبازی کا بیان ہے، جو ہجرت کے سفر میں حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ تمام قرآن میں کسی صحابی کی اس تشخیص و تعین اور تصریح سے فضیلت بیان نہیں ہوئی۔ جیسی اس آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل فضائل کا بیان ہے۔

۱) اس آیت میں آپ کو صاحب الرسول کے عمدہ ترین لقب سے ملقب کیا گیا۔

۲) ایسے نازک ترین اور پر صعوبت سفر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ ان کی زبردست قربانی اور بے نظیر جانبازی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے علاوہ کسی اور کو ساتھ نہ لینا اور اپنی رفاقت اور ہم رکابی کے لیے انہی کو منتخب کرنا، جہاں ان کے سراپا اخلاص اور کمالِ ایمان کی روشن ترین دلیل ہے۔

وہیں ان کے افضل الامت ہونے کا ثبوت بھی ہے۔

۳) اللہ تعالیٰ کا سفر ہجرت کے سینکڑوں واقعات کو نظر انداز فرما کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور معیت کو بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے قلوب میں ابوبکر کی محبت اور ان کی افضلیت اولویت کا یقین پیدا کیا جائے۔

۴) یہ فرمانا اے ابوبکر رنج نہ کر۔ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور پرنور کو ان سے کمال درجہ کی محبت وشفقت تھی۔

۵) حضور کا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرما کر اس معیت میں ابوبکر کو شریک کرنا جو معیت آپ کو حاصل تھی اہل بصیرت کے نزدیک معمولی مقام نہیں۔

۶) آیت میں تصریح ہے کہ سکینہ (اللہ تعالیٰ کی مخصوص رحمت) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نازل ہوئی یہ کہنا کہ سکینۂ کی ضمیر نبی علیہ السلام کی طرف ہے۔ اس واسطے قابل التفات نہیں کہ اس سے تحصیل حاصل کی قباحت لازم آتی ہے۔ کیونکہ آپ کو قطعاً کوئی اضطراب نہ تھا۔ جو اس سکینہ کے بعد دور ہو گیا؟

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

تم ہو بہتر امت جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

اگر خلفائے راشدین اور دیگر اصحابہ کرام کو نعوذ باللہ ایمان دار تسلیم نہ کیا جائے۔ تو اس آیت کا مصداق کوئی بھی نہیں بن سکتا اور اس طرح یہ آیت معاذ اللہ غلط ٹھہرے گی۔ کیونکہ کنتم صیغہ حاضر کا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دو چار ساتھیوں سے تو بقول مخالفین صحابہ ساری عمر ہو ہی نہیں سکا۔ (معاذ اللہ) جیسا کہ روضہ کافی کی روایت میں ہے:

وَلَوْ حَمَلْتُ النَّاسَ عَلٰى تَرْكِهَا وَحَوَّلْتُهَا اِلٰى مَوْضِعِهَا وَ اِلٰى مَا كَانَتْ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِتَفَرَّقَ عَنِّيْ جُنْدِيْ۔ (روضہ کافی صفحہ ۲۹)

"اور اگر میں لوگوں کو اس بگاڑ کے ترک کرنے پر آمادہ کرتا جو باب خلافت میں رونما ہو گیا اور اسے اس کی حقیقی محل پر لانا چاہتا جس پر کہ نظام مملکت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا تو میرے لشکری مجھ سے الگ ہو جاتے۔"

تو جب سوا دو چار کے سب منافق ٹھہرے تو اس آیت کا مصداق کوئی نہ رہے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

"اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں سے لڑتے ہیں، اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار"۔

اگر معاذ اللہ یہ مان لیا جائے کہ صحابہ کرام دین سے پھر گئے تھے۔ تو آیت بالا کی رو سے ان پر کوئی قوم مسلط ہونی چاہیے تھی۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ خود سب پر مسلط رہے۔ جس سے واضح ہوا اور وہ دین اسلام پر مضبوطی سے ثابت قدم رہے...... ورنہ قرآن کی پیشگوئی غلط ٹھہرے گی۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔

''اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں۔ اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مخلصین صحابہ کی بڑی جماعت تھی اور یہ کہنا کہ مخلص صحابہ کل چار پانچ تھے۔ باقی سب منافق تھے۔ قرآن پاک کی تصریح کے خلاف ہے۔ اگر کہا جائے کہ صرف چار پانچ ہی مخلص صحابہ مراد ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ ان چار پانچ میں تو کوئی عداوت نہ تھی۔ جسے محبت سے بدلا گیا اور نہ ہی دو چار افراد میں الفت پیدا کرنا کوئی ایسا کارنامہ ہے جسے اہتمام سے ذکر کیا جائے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (آل عمران ۱۸)

''اللہ مسلمانوں کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم ہو۔ حتیٰ کہ خبیث کو طیب سے جدا نہ کرے اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عالم لوگو! تم کو غیب کا علم دے، لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔''

۱) اس آیت میں خاص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مومنوں کو خطاب ہے۔

۲) ان سے فرمایا جارہا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن اور منافق کو جدا جدا کر دے اور سب کو معلوم ہو جائے کہ منافق کون ہے اور مومن کون۔

۳) اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ عام لوگوں کو غیب کا علم عطا فرمادے۔ بلکہ وہ اپنے رسولوں میں جسے چاہے چن لیتا ہے۔

۴) ظاہر ہے نفاق ایک پوشیدہ چیز تھی جب تک اللہ عزوجل اس کی کسی کو اطلاع نہ دے کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ فلاں مومن ہے اور فلاں منافق ہے؟ تو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب ہم مومن اور منافق کو جدا جدا کر دیں گے تو اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم بھی عطا فرمایا کہ فلاں مومن ہے اور فلاں منافق ہے۔

۵) اس آیت سے قطعی طور پر اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں جو مخلص مومن تھے وہ بھی اور جو منافق تھے وہ بھی حضور ﷺ کے علم میں تھے۔ اسی لیے جب مومن و منافق کو جدا کرنے کا اعلان فرمایا تو اس کے بعد یہ بھی فرما دیا کہ ہم اپنے مخصوص رسولوں کو غیب کا علم عطا فرماتے ہیں جس سے واضح ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ عزوجل نے بتا دیا تھا کہ کون منافق ہے اور کون مومن ہے یہ ہی وجہ تھی۔ ایک دن نماز کے بعد حضور ﷺ نے مسجد میں نمازیوں کی صفوں میں سے چن چن کر ان اشخاص کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ جو منافق تھے۔ (بخاری)

اس کے بعد اس آیت پر غور کیجیے۔ اللہ عزوجل حضور اکرم ﷺ کو حکم فرماتا ہے:

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا وٰهُمْ جَهَنَّمُ وبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔

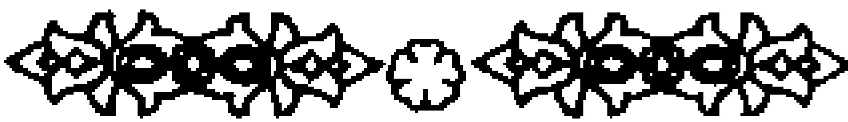
"اے نبی! کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے، کیونکہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے"۔

اس آیت میں کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ظاہر ہے کہ جب اللہ نے جہاد کا حکم دیا تو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور ﷺ کو منافقوں کا علم نہ ہو اور آپ کو ان سے جہاد کا حکم دے دیا جائے۔

اس آیت میں ایک تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقوں سے جہاد کا حکم دیا تو یہ بھی بتا دیا کہ فلاں فلاں منافق ہیں"۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ خلفائے ثلاثہ صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) منافق ہوتے، تو حضور ﷺ ضرور ان سے جہاد فرماتے۔ لیکن حضور ﷺ نے جہاد تو درکنار حضرات خلفائے ثلاثہ کو اپنے ساتھ رکھا۔ ان کے فضائل بیان کیے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بوقت ہجرت کے خدا کے حکم سے اپنے ساتھ لیا۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں ان کو بیعت کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی حیات مبارکہ میں اپنے مصلّٰے پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کیا۔ یہ سب امور اس بات کی زبردست دلیل ہیں کہ حضرات خلفائے ثلاثہ یقیناً منافق نہ تھے۔ بلکہ مومن مخلص تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اخلاص و ایمان پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ خلفائے ثلاثہ منافق ہیں۔ مگر بعض مصلحتوں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سختی نہ کی۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین ہے اس لیے کہ جب خداوند قدوس نے صراحتًا بلا کسی قید کے منافقین سے جہاد کا حکم دے دیا، تو اب مصلحتوں کی بناء پر ان سے جہاد نہ کیا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنا ہوگا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً حتماً محال ہے۔ لہٰذا ایسا کہنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زبردست الزام قائم کرنا اور آپ کی توہین کرنا ہے۔ ثانیاً بفرضِ محال اگر مصلحتوں کی بناء پر جہاد نہیں کیا، تو پھر کم از کم یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلّٰی پر کھڑا نہ کرتے۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کر دیتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو موجود ہی نہ تھے۔ ان کو بیعت ہی نہ فرماتے اور اعتراض ہوتا۔ تو جواب دے دیتے کہ تم موجود ہی نہ تھے۔ بیعت کیسے کرتا۔ مگر سبحان اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عمل و کردار سے اور اپنی زبان مبارک سے خلفائے ثلاثہ کے کامل ایمان اور مخلص مسلمان ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ تاکہ کسی مخالف کو زبان درازی کی گنجائش نہ رہے۔



خلفائے اربعہ......غزوۂ بدر میں

بدر کفر واسلام کی سب سے پہلی لڑائی ہے۔ یہ وہ لڑائی ہے جس میں مجاہدین اسلام کی امداد کے لیے آسمان سے فرشتوں کی فوجیں اتری تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ سے اس لڑائی کے متعلق مشورہ لیا۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاں نثارانہ فقرے کہے تھے اور صحابہ نے عرض کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر حکم ہو تو ہم سمندر میں کود جائیں۔ ۱۲ رمضان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ جان نثاروں کے ہمراہ شہر سے روانہ ہوئے قدوسیوں کی یہ جماعت جو ۳۱۳ افراد پر مشتمل تھی۔ بظاہر بے سروسامان تھی اور دوسری طرف ایک ہزار کا لشکر جرار تھا۔ ایک طرف نور تھا۔ دوسری طرف ظلمت، ایک طرف حق تھا۔ دوسری طرف باطل، ایک جانب اسلام تھا۔ دوسری جانب کفر اسی لیے قرآن نے اس کو یوم الفرقان کہا:

اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔

(ابوداؤد)

"اللہ عزوجل نے اہل بدر کو رحمت کی نظر سے دیکھا اور فرمایا، اب تم جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا"۔

قرآن میں اللہ عزوجل نے واقعہ بدر کو بیان فرمایا اور اہل بدر کے متعلق تصریح فرمائی:

قَدْ کَانَ لَکُمْ اٰیَۃٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَافِئَۃٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاُخْرٰی

كَافِرَةٌ۔ (آل عمران)

"ان دونوں گروہوں میں جو آمنے سامنے مقابل تھے۔ اللہ کی نشانیاں ہیں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا"۔

دیکھو بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کو قرآن نے مجاہد فی سبیل اللہ کہا اور ان کے کامل الایمان ہونے کی ڈگری دے دی اور مقابل گروہ کو واضح لفظوں میں کافر فرمایا۔

لڑائی ہونے سے پہلے ان ۳۱۳ افراد پر نیند طاری کی گئی آسمان سے پانی برسایا گیا اور ان کے دلوں میں مزید ایمان وایقان کی شمعیں روشن کی گئیں۔

قرآن مجید میں فرمایا:

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ۔

"جب تمہاری تسکین کے لیے تم پر اونگھ طاری کر دی اور آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے اور تم سے شیطان کی ناپاکی دور کرے۔"

دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان ۳۱۳ مجاہدین اسلام پر ان کی تسکین قلب کے لیے ہم نے ان پر نیند طاری کر دی۔ آسمان سے رحمت کا پانی ان پر برسایا اور ان کے دلوں کو شیطان کی ناپاکی سے دور کر دیا بتایئے جن کے دلوں کو اللہ نے شیطان کی ناپاکی سے پاک کر دیا۔ اُن میں بھی نفاق آ سکتا ہے، جس کو خدا مومن بنا دے؟ اس کو کوئی طاقت بے ایمان کر سکتی ہے؟

جب ان مجاہدوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ۔

"جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو تمہارے رب نے تمہاری فریاد سن لی۔ اور تمہاری امداد کے لیے ایک ہزار فرشتوں کی فوج نازل فرمائی"۔

غور کرو یہ تین سو تیرہ افراد اللہ کو کتنے محبوب تھے کہ جب انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں فریاد کی تو اللہ عزوجل نے ان کی فریاد کو فوراً سنا اور ان کی امداد کے لیے فرشتوں کی فوجیں اتار دیں۔ جن کی امداد کے لیے فرشتے نازل ہوں۔ وہ بھی منافق ہو سکتے ہیں؟

اصحاب بدر

واضح ہو کہ غزوۂ بدر میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم شریک ہوئے۔ قرآن نے واضح لفظوں میں شرکاء بدر کو مومن اور مخلص مسلمان مجاہد فی سبیل اللہ قرار دیا۔ کیا قرآن کی شہادت کے بعد بھی کسی کی شہادت کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بات تو تسلیم ہے کہ خلفائے ثلاثہ بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ مگر قرآن میں یہ بھی تو ہے کہ:

اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ۔

"مومنین کا ایک گروہ شرکت غزوۂ بدر کو ناگوار خیال کرتا تھا"۔

یعنی بعض مومنین ایسے بھی جو غزوۂ بدر سے جی چراتے تھے، مخالف کہتے ہیں خلفاء ثلاثہ اسی گروہ میں شامل تھے۔ چنانچہ ملا مجلسی نے حیات القلوب میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"موافق روایات سابق معلوم است کہ ایں کنایات بابوبکر و عمر است کہ کارہ

بودند جہاد را''۔

جواب: اوّل یہ کہ قرآن نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام نہیں لیا۔ پھر آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ غزوۂ بدر میں شریک ہونے سے گریز کرنے والے ابوبکر وعمر تھے؟ جب قرآن نے ابوبکر وعمر کا نام نہیں لیا' تو محض اپنے قیاس فاسد سے ان حضرات کو مراد لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے نیز آپ کا مخالف یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ ان سے مراد معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی تھے۔

ثانیاً ترکیب نحوی کی رو سے واِنَّ میں واوٗ حالیہ ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے۔ یہ موقع عین وہ موقع تھا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکل رہے تھے۔ نہ کہ مدینہ سے نکلنے کے بعد، جب کہ آپ آگے بڑھے، کیونکہ واوٗ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے۔ لہٰذا آیت سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ بعض لوگ جن کے نام قرآن نے نہیں بتائے۔ وہ ایسے ضرور تھے جو مدینہ سے نکلنے سے قبل جنگ سے گریز کرتے تھے اور ظاہر ہے یہ لوگ معصوم نہ تھے جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔ اگر باقتضاء بشریت ان کے دلوں میں ایسا خیال آ بھی گیا تو کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ جب یہ ہی جی چرانے والا گروہ میدان میں آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور قرآن نے واضح لفظوں میں اعلان کیا کہ ہزار فرشتوں کی فوج اللہ نے مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان کے لیے نازل فرمائی۔

چنانچہ ارشاد ہے:

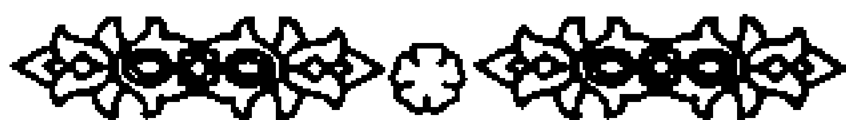
مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ۔

''خدا نے مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے ہی ایسا کیا''۔

یعنی اللہ نے ان پر پانی برسا کر اور فرشتوں کی فوجیں اتار کر مسلمانوں کے

دلوں کو ثبات بخشا اور ان کو خوش کیا۔ تو اگر بعض شرکاء بدر جنگ میں شریک ہونے سے گریز کرتے تھے۔ تو میدان جنگ میں پہنچ جانے کے بعد اللہ نے ان کو ثبات و اطمینان عطا فرما دیا اور جب خدا نے ان کو ثبات و اطمینان عطا فرما دیا۔ تو اب اعتراض کی کیا گنجائش رہی۔ اعتراض تو اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ جب کہ اللہ کے اطمینان دلانے اور ان کے دلوں کو شیطان کی ناپاکی سے دور رکھنے کے باوجود وہ جنگ سے گریز کرتے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ گریز کا تو پھر اصحاب بدر کو وہم تک نہ ہوا اور حق یہ ہے کہ اگر میدان جنگ میں پہنچ جانے کے بعد بھی اصحاب بدر کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ جنگ سے گریز کرتے رہے تو پھر تو قرآن کی تصریحات جھوٹی ہو جائیں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ان کو ثبات عطا فرمایا اور بقول مخالف وہ ثابت قدم نہ رہے۔ میدان میں پہنچ کر بھی جنگ سے معاذ اللہ گریز ہی کرتے رہے۔ ایسا کہنا تو صاف طور پر قرآن کی تکذیب کرنا ہے؟

ثالثاً۔ اگر بقول مخالف ہم یہ مان لیں کہ اس آیت سے خلفائے ثلاثہ مراد ہیں (گو کہ خارجی دلائل اور خود قرآن اس کی تردید کرتا ہے) تو پھر بھی صرف بدر میں شرکت سے جی چرانے کی وجہ سے اصحاب ثلاثہ پر کوئی طعن نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ قرآن نے ان پر کوئی اعتراض کیا، بلکہ قرآن نے تو ان کو مومن فرمایا۔ اب یہ تو قرآن کا اعجاز ہے کہ جس آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ کو قصوروار ٹھہرانے کی سعی ناپاک کی گئی۔ اسی آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ کا مومن ہونا ثابت ہو گیا۔ کیونکہ قرآن نے ان لوگوں کے متعلق جو بدر میں شرکت کو ناگوار خیال کرتے تھے، نہ کافر کہا اور نہ منافق اور نہ ان پر کوئی عتاب کیا۔ بلکہ ان کو بھی مومن ہی کہا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین



خلافت وامامت......خلفائے راشدین

امامت دوقسم کی ہے، امامت صغریٰ نماز پڑھانے کی امامت کو کہتے ہیں۔اور جس شخص کوحضور علیہ السلام کے نائب ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانوں کے دینی و دنیوی کام شریعت اسلامیہ کے مطابق انجام دینے کا اختیار ہوٗا اسے امامت کبریٰ کہتے ہیں۔ جائز کاموں میں امامت کبریٰ کے عہدہ پر فائز کی اطاعت تمام جہان کے مسلمانوں پرواجب ہے۔اس عہدہ کے لیے مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، قادر، مرد، قرشی ہونا شرط ہے۔ان میں سے ایک شرط بھی کم ہوگی، خلافت صحیح نہ ہوگی۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ الائمۃ من قریش۔شرط قرشیت پر اجماع بھی ہے۔

(شرح عقائد نسفی وشرح فقہ اکبر)

امامت کبریٰ کے لیے ہاشمی یا علوی یا معصوم ہونا شرط نہیں، کیونکہ معصوم صرف انبیاء ہوتے ہیں، عورت اور نابالغ امام نہیں ہوسکتے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل امام مطلق، حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر (۲ سال ۳ ماہ) پھر حضرت فاروق اعظم (۱۰ سال ۶ ماہ) پھر حضرت عثمان غنی (۱۲ سال ۱۲ دن) پر حضرت علی (۴ سال ۹ ماہ) پھر حضرت حسن (۵ ماہ ۱۴ یوم) تھے۔ رضی اللہ عنہم یہ حضرات خلیفہ راشد تھے۔اوران کے دورِ خلافت کو خلافت راشدہ کا دور کہتے ہیں۔خلافت راشدہ کے دور کے ختم ہونے کے بعد جولوگ برسرِ اقتدار آئے، وہ بادشاہ (ملوک) تھے۔ان میں نیک وصالح عادل بھی ہوئے ہیں اور ظالم وفاسق بھی۔

خلافت راشدہ کی مدت

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد خلافت ۳۰ سال رہے گی۔ اس کے بعد ملوکیت کا دور ہوگا۔ منہاج نبوت پر خلافت راشدہ تیس سال رہی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے چھ مہینے پر ختم ہوگئی۔

خلافتِ راشدہ کا دور اسلامی تاریخ کا روشن باب ہے

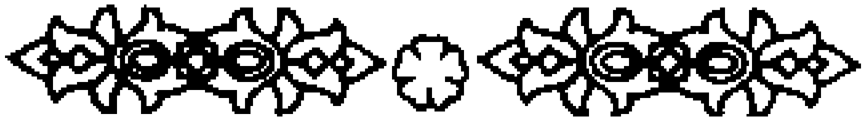
یارِ غارِ رسول حضرت صدیق اکبر، فاروقِ اعظم حضرت عمر ابن خطاب جامع القرآن کامل الایمان حضرت عثمان غنی اور فاتح خیبر ابن عم رسول، امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ یہ سب وہ روشن شخصیتیں ہیں جن کو خالق کائنات نے باعث تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے سنوارا تھا۔ خلفائے راشدین نے دین و مذہب کی سرفرازی، سربلندی، قدر و منزلت، عزت و عظمت شان و شوکت اور تبلیغ کے لیے جو جدوجہد کی وہ اسلام کی تاریخ کا ایسا روشن باب ہے جس کی نظیر اقوام عالم میں نہیں ملتی۔

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کے دورِ حکومت کو بھی خلافت راشدہ کی طرح مانا جاتا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے بادشاہ اسلام ہوئے، تورات میں ہے کہ وہ نبی آخر الزمان مکہ میں پیدا ہوں گے، مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ اس کی سلطنت شام میں ہوگی۔ تو امیر معاویہ کی بادشاہی اگرچہ سلطنت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سلطنت ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے قصد و اختیار کے ساتھ خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی تھی اور ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی۔ یہ صلح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرما دیا تھا۔ میرا یہ بیٹا سید ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اس کے باعث اللہ تعالیٰ اسلام کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ (بخاری شریف)

اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں طعن کرنا بری بات ہے۔

خلفائے راشدین کے درجات

انبیاء ومرسلین کے بعد تمام مخلوقات الٰہی جن وانس وملائکہ سے افضل حضرت صدیق اکبر پھر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔



امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام کے اتفاق و اجماع سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ اوّل اور خلیفہ بلافصل مقرر ہوئے۔ اتنی بات صحیح ہے کہ جناب امیر المومنین علی المرتضیٰ حضرت عباس وطلحہ رضی اللہ عنہم و مقداد وغیرہ نے بیعت عام کے وقت بیعت نہیں کی، مگر دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی۔ نماز جمعہ و دیگر نمازوں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص بھی تھے۔ غزوہ بنی حنفیہ میں (جس میں مسیلمہ کذاب قتل ہوا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ آپ کو مال غنیمت میں ایک لونڈی ملی تھی جس سے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امام برحق نہ ہوتے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مال غنیمت نہ لیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مال غنیمت لے لینا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

امام ذہبی نے اس سے زیادہ افراد سے بسندِ صحیح بخاری شریف کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

خیر الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر ثم رجل آخر۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے بہتر و افضل ابوبکر و عمر ہیں۔ پھر کوئی اور''۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے وہ مفتری ہے۔ مجھے ملے تو میں اسے سزا دوں گا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس امت کے بہترین انسان ہیں ان کے بعد عمر کا درجہ ہے۔ (درقطنی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم خود فرماتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہوتا یا وعدہ کیا ہوتا کہ میرے بعد تم خلیفہ بلافصل ہو گے۔ تو میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منبر کی نیچی سیڑھی پر بھی قدم نہ رکھنے دیتا۔ مگر جب میرے مرتبہ و کمال کے ہوتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی حیات میں نماز پڑھانے کے لیے امامت کا منصب عطا فرما دیا اور میں نے اور تمام صحابہ نے حیات نبوی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کی، تو ان واقعات کی بناء پر مجھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدیق اکبر کو دین کے معاملات میں امام بنا کر ان کے بہتر و افضل ہونے کا اظہار فرمایا۔ تو میں دنیا کے معاملات میں بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بہتر جانتا ہوں۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ دشمنوں کے غلبہ کی وجہ سے بطور تقیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کی تھی۔ لیکن یہ بات نہایت لچر اور بے ہودہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان کے خلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں جو اللہ کے شیر ہیں شیر بھی ایسے جو غالب ہیں اللہ کا شیر حق بات کہنے سے ڈر جائے یہ ناممکن ہے۔ پھر یہ بھی تو ایک حقیقت ہے:

اَلْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ۔

"قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہے"۔

اس شان کا شیر خدا حق گوئی و بے باکی سے باز رہ سکتا ہے اور خوفِ جان کی بنا پر حق کہنے حق کا اظہار کرنے سے باز رہ سکتا ہے؟ ایک مسلمان حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام صحابہ نے خلوص قلب سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کیا اور جس بات پر تمام صحابہ کا اتفاق و اجماع ہو۔ وہ بات برحق ہوتی ہے۔

عشرہ مبشرہ

خلفائے راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ حضرات حسنین، اصحاب بدر، اصحابِ بیعت رضوان رضی اللہ عنہم کے لیے افضلیت ہے۔ یہ سب حضرات جنتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دنیا میں ان کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا ہے ان نفوس قدسیہ کے مختصر حالات زندگی درج ذیل ہیں۔



اصدق الصادقین امیر المومنین

خلیفہ بلا فصل سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

(تاریخ وفات ۲۲ جمادی الاخری)

نامِ مبارک عبداللہ بن ابی قحافہ، ''ابوبکر'' کنیت، ''صدیق'' لقب۔ خاندان بنی تمیم کے چشم و چراغ۔ قریش کے ساداتِ کبار میں آپ کی ذات گرامی ممتاز تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نسب مرہ میں جا کر مل جاتا ہے، حضرت صدیق اکبر ۵۷۳ء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دو برس چند مہینے بعد پیدا ہوئے۔

سیّدنا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں۔ قرآن پاک کی رو سے نبیوں کے بعد صدیقوں کا درجہ ہے۔ پھر شہداء ہیں پھر صالحین۔ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں اور رسولوں کے سرتاج ہیں۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صدیقوں میں ممتاز ہیں۔ تقویٰ جرأت، معاملہ فہمی، حربی قیادت، ایثار، صداقت واولوالعزمی، دیانت داری، امانت، فیاضی، زہد، ورع، جودوسخا تواضع علم قرآن وحدیث، اتباع سنت، علم تعبیر وانساب اور محبت خدا اور رسول، غرضیکہ تمام اعلیٰ اوصاف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ جیسا کوئی نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بعثت نبوی کے اوّل روز ہی سب سے پہلے بلا تردد وجھجک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نبوت کی تصدیق کی۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۸ سال تھی۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا، اس نے

کچھ تامل ضرور کیا۔ مگر ابوبکر نے بغیر کسی تامل کے دعوت اسلام پر لبیک کہا (بخاری) مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے اور حضور ﷺ کے ساتھ سب سے پہلی نماز پڑھنے کا شرف بھی آپ کو ہی حاصل ہے۔ (استیعاب)

آپ نے دوبار اپنی ساری دولت حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دی۔ ہجرت کے وقت اور جنگ کے موقع پر مکہ معظمہ میں متعدد غلاموں اور باندیوں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے کفار کے ظلم وستم کا شکار تھے۔ خرید کر آزاد کر دیا ان میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے لیے زمین کی قیمت بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ ابوبکر کے مال نے مجھے جتنا نفع پہنچایا۔ کسی اور کے مال نے اتنا نہیں پہنچایا۔

ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ چکا دیا، مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ نیز فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا، تو ابوبکر کو بناتا مگر میری دوستی صرف اللہ تعالیٰ سے ہے (بخاری) اقبال نے ایک مصرعہ میں آپ کے مناقب بیان کر دیے۔

ثانی اسلام وغار وبدر وقبر

صدیق اکبر حق وصداقت کی مشعل تاباں ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نائب مطلق، خلیفہ بلافصل مزاج شناس رسول ہیں۔ اظہار نبوت سے قبل بھی آپ حضور ﷺ کے احباب میں سب سے مقدم تھے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کیساتھ غار میں تھے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ابوبکر تم صدیق ہو۔ (تفسیر قمی صفحہ ۱۵۷)

نیز امام جعفر صادق نے فرمایا: جو شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق نہ مانے

اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی تصدیق نہ فرمائے گا۔(کشف الغمہ)

جب حضور ﷺ معراج سے مشرف ہوئے تو کفار نے کہا اب تو تمہارا دوست کہتا ہے کہ اس نے آسمانوں کی سیر کی۔ آپ نے جواب دیا۔ اگر حضور ﷺ فرماتے ہیں تو درست فرماتے ہیں۔ اسی دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق ہو گیا۔

قرآن مجید نے فرمایا الذی جاء بالصدق و صدق به کے پہلے جملہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے سے صدیق اکبر مراد ہیں۔(مجمع البیان)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامی کی بنیادوں کو مستحکم کیا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامی کی بنیادیں استوار کیں۔ آپ ہی کی کوششوں سے ایسے لوگ مسلمان ہوئے جو بعد میں جلیل القدر صحابی اور اسلام کے سچے فدائی و شیدائی بنے۔ اسلام سے محبت جان و مال کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت آپ کی زندگی کا مقصدِ وحید تھا۔ انہوں نے اسلامی مملکت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ ان کے دور میں شام و عراق کی فتح کا آغاز ہوا۔

آپ نے اپنے دورِ خلافت کے دو سال تین ماہ میں خلافت و نیابت رسول ﷺ کا حق ادا کر دیا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد فتنوں اور شورشوں نے ہجوم کیا۔ فتنہ ارتداد قبائل عصبیت، خاندانی نجابت کا استحقاق، باغیوں کی جانب سے سرکشی کے لیے نئے خطرات، مملکت کو قرآن و سنت کے اصول و ضوابط پر حرف بحرف اور من و عن قائم رکھنا کتنے بہت سے نازک اور مشکل مرحلے میں باحوصلہ رفیق رسول ﷺ نے کمال حسنِ تدبر خداداد ذہانت، سیاسی فراست اور دینی استقامت سے طے کیے۔ جہاں تحمل اور سیاسی حکمت عملی درکار تھی۔ وہاں اسے اختیار کیا اور جہاں قوت بازو اور بزورِ شمشیر منافق، مرتد اور جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی ضروری تھی۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی ناموس کے لیے مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اور شجاعت

سے بھی کام لیا۔حتی کہ مشرکوں منافقوں اور مرتدوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا گیا۔ اور اسلام کا قافلہ پھر شان و شوکت کے ساتھ اپنے راستہ پر گامزن ہو گیا۔

سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ختمِ نبوت کے محافظِ اوّل ہیں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عشق رسول ہی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم خوبی ''ختم نبوت'' کا محافظ اوّل بنایا کہ آپ نے ناسازگار حالات میں اور کثیر مصروفیات کے باوجود ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو ناموس رسالت سے کھیلنے کی اجازت نہ دی اور قیامت تک آنے والے عشاق رسول کو حفاظت ختم نبوت کا سبق سنایا۔جن کذاب مدعیان نبوت کو آپ کے دور میں کچلا گیا۔ان کے نام یہ ہیں:

اسود عنسی، طلیحہ، مسلیمہ کذاب، شجاع بنت حارثہ تمیمیہ۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ بہادر تھے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے زیادہ شجاع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں بدر کی لڑائی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کے لیے عریش (ایک محفوظ چھپر) بنایا گیا تھا۔خدا کی قسم ہم میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ اس عریش کو کفار سے محفوظ رکھنے کے لیے سپر بن جائے۔اس نازک موقع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہوئے، جس کسی نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا۔انہوں نے اس کی مدافعت فرمائی۔(تاریخ الخلفاء)

جمع قرآن

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ......بھی نہایت ہی زرین ہے کہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے آپ نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی تمام سورتوں کو جمع کرنے پر مامور فرمایا اور انہوں نے بکمال و

خوبی یہ خدمت انجام دی اس وقت سے قرآن کو مصحف کے نام سے موسوم کیا گیا۔

(تاریخ الخلفاء)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام کو حیاتِ نو بخشی

فتح مکہ کے بعد اگلے سال جب کہ مسلمانوں کے سامنے سے سرزمین عرب پر تسلط کی راہ سے تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو امیر الحج مقرر فرما کر روانہ کیا اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت نے شدت اختیار کی تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھانے کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو منتخب فرمایا۔ انہی اسباب کے باعث صحابہ کرام ان سے حد درجہ عقیدت رکھتے تھے کیونکہ وہ ان کے دینی مرتبہ سے آگاہ تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب خلافت کا سوال اٹھایا گیا۔ تو مسلمانوں کی نظر انتخاب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر پڑی اور وہ خلیفۃ الرسول منتخب ہو گیا۔

مسند آرائے خلافت ہوتے ہی ان کے سامنے صعوبتوں، مشکلوں اور خطرات کے پہاڑ آن پڑے ایک طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت تھے کہ مسلح تصادم پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھی۔ منکرین زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی۔ غرض خورشید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شمع اسلام کے چراغ سحری بن جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جانشینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضمیری، پاکیزہ سیاست بے مثال تدبر اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل کرنے کی تمام ناپاک کوششوں کو ناکام بنا دیا بلکہ پھر اس مشعل سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کو جس نے حیات نو بخشی اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی ذات گرامی ہے۔

اللہ کی ہزار برکتیں اور رحمتیں ہیں اس پاک باز مقدس انسان پر جس نے اپنی ساری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور اسلام کی اشاعت میں صرف کر دی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق تھے

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت و برکت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک عشاق صادق کا بے مثال اور ایمان افروز کردار ادا کیا۔ مکہ میں قریش کے مظالم اور ان کی ایذا رسانیوں کے مقابلے میں وہی سینہ سپر ہوتے تھے۔ ہجرت کے انتہائی نازک موقع پر غارِ ثور سے مدینہ منورہ تک پوری جانثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فدا کاران اسلام کو یہودیوں کی مکاریوں اور منافقین کی ریشہ دوانیوں سے واسطہ پڑا۔ اور قریش مکہ اور یہود مدینہ کی پے در پے کوششوں کے نتیجے میں سارا عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہوا تو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الخاص مشیر خاص کے فرائض انجام دیے اور ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و مدافعت کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنایا۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۲ جمادی الآخریٰ ۱۳ ہجری کو غروبِ آفتاب کے بعد ہوئی۔ وفات کے وقت ان کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ کم و بیش ستائیس مہینے مسلمانوں کی زمامِ اقتدار ان کے ہاتھ میں رہی اور اس قلیل مدت میں انہوں نے جو نظامِ حکومت قائم کیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رفیع المنزلت عمارت کھڑی کر دکھائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایمان و اخلاص میں صدیق اکبر کا کوئی ہم پلہ نہیں

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات سے مدینہ تھرا اٹھا، اور مسلمانوں پر کرب

واضطراب کی وہی کیفیت طاری ہوگئی۔ جس کا نظارہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد دیکھنے میں آیا تھا۔ ان کی وفات کا سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے تشریف لائے اور جس حجرے میں ان کی لاش رکھی تھی' اس کے دروازے پر کھڑے ہوکر کہنے لگے کہ اے ابوبکر اللہ تم پر رحم کرے، خدا کی قسم! تم پہلے آدمی تھے، جس نے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا۔ ایمان واخلاص میں تمہارا ہم پلہ کوئی نہ تھا۔ خلوص ومحبت میں تم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اخلاق، قربانی، ایثار بزرگی میں تمہارا کوئی ثانی نہ تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت تم نے کی اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں جس طرح ثابت قدم رہے۔ اس کا بدلہ اللہ ہی تمہیں دے گا۔ جب ساری قوم رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں مشغول تھی۔ تو تم نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا جب ساری قوم آپ ﷺ کو اذیتیں پہنچانے کے درپے تھی تو تم نے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔

جب رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر لوگ کان نہ دھرتے تھے۔ تو تم نے آپ ﷺ سے مل کر تبلیغ کا فریضہ انجام دیا...... تمہیں اللہ نے اپنی کتاب میں "صدیق" کے لقب سے سرفراز کیا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا صدیق ہم تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو اس صدمے کے باعث گفتگو کا یارا ہی نہ رہا۔ وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حجرے میں داخل ہوئے۔ تو صرف یہ الفاظ ان کے منہ سے نکل سکے۔

"اے خلیفہ رسول اللہ! تمہاری وفات نے قوم کو سخت مصیبت اور مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہم تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ تمہارے مرتبے کو کس طرح پا سکتے ہیں"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کارناموں کو آنے والی کوئی بھی نسل فراموش نہ کر سکے گی اور قیامت تک ان کے اوپر سلام بھیجنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔

پہلوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بنا آپ کا مزار

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا حق ادا کیا تھا۔ بعد الموت بھی رفاقت کا یہ شرف انہیں حاصل رہا۔ انتقال سے پہلے وصیت فرمائی کہ میری میت تجہیز و تکفین کے بعد آقائے دو جہاں سرکار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے مقابل رکھ دی جائے اور کہا جائے:

''السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ آستانہ عالیہ پر حاضر ہے۔ اگر دروازہ خود بخود کھل گیا تو مجھے اندر دفن کر دینا۔ ورنہ جنت البقیع میں لے جانا''۔

(شواہد النبوۃ علامہ جامی)

جب وصیت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جنازہ روضہ اطہر کے قریب لایا گیا۔ تو ان کی وصیت کے مطابق ابھی وہ کلمات پورے نہ ہوئے تھے کہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اور آواز آئی ''دوست کو دوست کے پاس لے آؤ''۔ چنانچہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر ۶۳ سال تھی، اور یہ واقعہ جمادی الاخری ۱۳ ہجری کو رونما ہوا۔ اس طرح خلافت راشدہ کا عہدِ صدیقی اختتام پذیر ہوا۔ لیکن مسلمانوں کو نظم و نسق کی متعین راہ مل گئی تھی۔

نگاہ نبوت میں صدیق اکبر کا مرتبہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اوصافِ حسنہ ہی کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اپنے صحابہ میں ابوبکر سے افضل کسی کو نہیں پایا اور اگر میں اہل زمین

میں سے کسی کو خلیل بناتا، تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن ابوبکر سے میرا تعلق ہم نشینی، مواخات اور ایمان کا ہے، یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس اکٹھا کرے۔ (مشکوٰۃ)

اگر مجھے نہ پاؤ تو پھر صدیق کے پاس آؤ۔

تم غار اور حوض کوثر پر میرے رفیق ہو۔ (بخاری)

ابوبکر امت محمدیہ میں سے سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ (ترمذی)

ابوبکر دوزخ سے آزاد ہیں۔ (ترمذی)

مجھے امید ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جنت کے ہر دروازہ سے بلایا جائے گا۔ (مسلم)

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ابوبکر و عمر کے فضائل کا منکر نہیں۔ لیکن ابوبکر عمر سے افضل ہیں۔ (طبری صفحہ ۲۰۴)

تفسیر امام حسن عسکری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کو میرے ساتھ وہ نسبت ہوگی جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے۔ (منتہی الکلام)

حیاتِ صدیقی ایک نظر میں

- بڑے مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔
- بلا تردد اسلام لائے۔
- اسراء کی تصدیق کر کے صدیق اکبر کا لقب پایا۔
- اخلاص اور دیانت کے صلے میں امن الناس کا خطاب پایا۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار رہے۔
- اُن کے گھر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غار میں کھانا پہنچتا رہا۔
- اُن کے گھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بن بلائے تشریف لے آتے۔

- بوقت طلب اپنا تمام اثاثہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔
- اُن کی تنہا ذات کو قرآن میں ''صاحبِ النبی'' کا لقب ملا۔
- درس گاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے طالب علم تھے۔
- غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الحاح وزاری کرتے ہوئے دیکھ کر تشفی دی۔
- آپ کو بدر میں میمنہ کا سردار بنایا گیا۔
- اسیران بدر کی رہائی کے سلسلے میں ان کی رائے تسلیم کی گئی۔
- غزوۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جم کر کھڑے رہے۔
- ۹ ہجری میں امیر الحج کا خطاب بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔
- غزوۂ تبوک میں اپنا سارا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں نثار کر دیا۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ثابت قدم رہے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی وجہ سے عام تشویش ایک ہی خطبہ دے کر دور کر دی۔
- فتنۂ ارتداد کا غیر معمولی ثابت قدمی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔
- منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کے لیے تیار کھڑے ہوئے۔
- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے قرض ادا کیے۔
- سابقون الاولون میں سب سے اوّل قرار پائے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ان کی اقتداء کا حکم فرمایا۔
- آپ سب سے پہلے محافظِ ختم نبوت ہیں، جھوٹے مدعیان نبوت کی سرکوبی سب سے پہلے آپ نے کی۔
- انہوں نے قیصر و کسریٰ کے ممالک کی جانب پیش قدمی کا آغاز کیا۔ عشرہ مبشرہ کے سرخیل ہیں۔

اکابر صحابہ کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشادات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہم سب کے سردار، ہم سب سے بہتر اور حضور علیہ السلام کو ہم سب سے پیارے تھے۔ (ترمذی)

اہل زمین کے ایمان کو ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں ابو بکر کے ایمان کو تولا جائے۔ تو صدیق کا پلڑا زیادہ وزنی ہوگا۔

جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نکوکاری میں صدیق اکبر سے کبھی نہیں بڑھے۔

حضرت ربیع بن یونس فرماتے ہیں کتب سماویہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مثال بارش سے دی گئی ہے کہ جہاں پڑتی ہے نفع بخشتی ہے۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو بکر خلیفہ نہ ہوتے، تو خدائے واحد کی پرستش کرنے والا ایک بھی نہ دکھائی دیتا۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے چار خصوصیات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منفرد ہیں:

۱) صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے سوا کسی کا نام نہیں۔

۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رفاقت کا شرف صرف آپ کو ملا۔

۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں آپ کو امام بنایا۔

۴) آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں ہجرت کی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اقوال

- ''اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ''۔
- ''صدق امانت ہے اور کذب خیانت''۔
- ''جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد ترک کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ذلت و

خواری مسلط کر دیتا ہے"۔

- "خیانت، بد عہدی اور چوری مت کرو"۔
- "اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرو، وہ تمہیں شکست اور وبا سے محفوظ رکھے گا"۔
- "حکمران دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ بد بخت ہوتے ہیں"۔
- "جہاد ایک لازم فریضہ ہے اس کا ثواب بھی اس قدر عظیم ہے کہ اس کا اندازہ ناممکن ہے"۔
- "عدل جو بھی کرے بہتر ہے، لیکن امیر کریں تو زیادہ بہتر ہے"۔
- "مرد شرم کریں تو اچھا ہے، لیکن عورتیں کریں، تو بہت اچھا ہے"۔
- "جوان کا گناہ بھی برا ہے، لیکن بوڑھے کا سخت برا ہے"۔
- "امیر تکبر کریں، تو برا ہے، لیکن غریب کریں، تو بہت برا ہے"۔
- "زبان کو شکایت سے بند کرو، خوشی کی زندگی عطا ہوگی"۔
- "شکر گزار مومن عافیت سے زیادہ قریب تر ہے"۔
- "پیغمبروں کی میراث علم ہے اور فرعون وقارون کی میراث مال"۔
- "وہ لوگ بہتر نہیں جو آخرت کے لیے دنیا کو ترک کرتے ہیں۔ بہتر وہ ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں کو حاصل کرتے ہیں"۔
- "پرانے گناہوں کو نیکیوں سے مٹاؤ"۔
- "شریف علم پڑھ کر متواضع ہو جاتا ہے اور ذلیل علم پڑھ کر متکبر ہو جاتا ہے"۔
- "انسان ضعیف ہے تعجب ہے، وہ اللہ قوی کی نافرمانی کیسے کرتا ہے"۔
- "سچائی اور نیکی جنت میں ہے، جھوٹ اور بدکاری دوزخ میں"۔
- "آپس میں قطع تعلق نہ کرو، بغض نہ رکھو، حسد نہ رکھو، حسد نہ کرو، بھائی بھائی ہو"۔

خلیفہ دوم امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

(وفات یکم محرم ۲۴ھ)

نامِ مبارک عمر والد کا نام خطاب ۱۳ ولادت نبوی، عام الفیل سے تیرہ سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد خطاب کا شمار قریش کے ممتاز سرداروں میں ہوتا تھا۔ ان کے فیصلوں کو سب تسلیم کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی ایک ممتاز شاخ عدی سے تھا۔ ۶ھ میں بعمر ۳۳ سال مشرف باسلام ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کو خدا سے مانگا

جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والی انسانیت جس مہر ہدایت کی منتظر تھی۔ جب وہ بطحا کی چوٹیوں سے احمد و محمد بن کر جلوہ فرما ہوئے اور آپ نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا۔ تو قریشِ مکہ نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قریشی طویل القامت نوجوانوں پر نظر پڑی، تو بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

”ان دونوں میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس سے اپنے دین کو قوت عطا فرما“۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے دل سے نکلی ہوئی دعا قبول فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد پہلی بار مسلمانوں کو کعبہ میں نماز پڑھنے کی سعادت ملی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی سربلندی کے لیے شب و روز محنت کی اور عظیم کارنامے انجام دیے۔ انہوں نے سادگی عدل و

مساوات کا عملی مظاہرہ کیا، ان کے اسلام لانے نے تاریخ کا رخ موڑ دیا، وہ ہمیشہ شجاعت اور عقل و شعور کا پیکر اور عشقِ نبوت میں سرشار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جناب عمر رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر ذیل کی آیت نازل فرمائی:

حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الانفال ۹)

''اے نبی تمہیں اللہ کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہیں''۔

فاروقِ اعظم عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے پر کیف مناظر زمانہ نے دیکھے، کائنات انسانی کے مقدس گروہ صحابہ کرام نے اس سعادت سے اپنے دامن قلب و نظر کو جس عقیدت و احترام سے بھرا۔ اغیار بھی اسکا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضوء فرماتے ہیں، تو صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے غسالہ کو زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے:

بمصطفیٰ برسان خویش راکہ دین ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

انہی نفوس قدسیہ میں ایک ممتاز اور منفرد ہستی جناب امام فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ہے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق، محب وطن اور نشہ عشق نبوت میں ہر آن اور ہر لحہ مخمور رہنے والی شخصیت تھے۔ آپ نے ساری زندگی عشق نبوی میں بسر فرمائی اور بعد وفات بھی اپنے محبوب کے جوار میں دفن ہونے کے شرف سے مشرف ہوئے۔ حق یہ ہے کہ امام فاروق اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات حمیدہ کے مظہر اتم تھے۔ ان کی شخصیت شاہکار رسالت بن کر سامنے آئی اور ان کی ایک ایک ادا سے اسوۂ نبوت کی تصویر نظر آتی ہے۔

تصور کیجئے ان کے زہد و قناعت کا کہ ۲۵ لاکھ مربع میل کی سلطنت کے مقتدر فرمانروا ہیں، لیکن لباس پھٹا پرانا، کبھی مسجد کی سیڑھیوں میں سو جاتے ہیں۔ ستو اور کھجور

کہا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں۔ بیٹی ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا چند افراد کی درخواست پر اچھا کھانے اور اچھا پہننے کی ترغیب دیتی ہیں۔ تو فرماتے ہیں: ''کہ اے بنت عمر! تم خوب جانتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلیفہ اوّل نے کتنی زاہدانہ اور غریبانہ زندگی گزاری ہے، میری آرزو بھی یہی ہے کہ ان عظیم شخصیتوں کا اندازِ زندگی اختیار کروں''۔ یہی اندازِ زندگی اور زہد تھا جسے دیکھ کر قیصر روم کا سفیر بھی حیرت زدہ رہ گیا اور اس کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا تھا ''دانش عرب وعجم'' کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رومی سفیر مدینہ منورہ میں آیا اور کسی سے پوچھا کہ تمہارے شہنشاہ کا محل کدھر ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں نہ کوئی شہنشاہ ہے اور نہ محل۔ البتہ ایک خادم ضرور ہے جسے ہم خلیفہ کہتے ہیں اور وہ اس وقت سامنے گلی میں گارا اٹھا رہے ہیں۔ سفیر نے وہاں جا کر پوچھا تو بتانے والے نے کہا کہ وہ دیوار کے سائے میں ریت پر لیٹے ہوئے ہیں سفیر ان کے قریب گیا اور کہنے لگا:

کیا یہ ہے وہ انسان جس کی ہیبت سے دنیا کے فرمانرواؤں کی نیندیں اڑ چکی ہیں۔ اے عمر! تم نے انصاف کیا اور تمہیں گرم ریت پر نیند آ گئی، ہمارے بادشاہوں نے ظلم کیا اور انہیں سنگین حصاروں کے اندر سمور و کمخواب کے بستر پر بھی نیند نہیں آتی۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت ترقی اسلام کے لیے وقف کردی تھی

یہی وجہ ہے کہ جب مرض الموت میں انہوں نے اپنے قرض کا حساب کرایا، تو چھیاسی ہزار روپیہ قرض کا دینا آیا۔ یہ قرض ان کے جود وسخا اور ترقی اسلام پر خرچ کرنے کا نتیجہ تھا۔

دورِ فاروقی اسلامی فتوحات کا دور تھا

۲۳ جمادی الآخر ۱۳ ہجری ۶۳۴ عیسوی کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند خلافت

پر متمکن ہوئے۔ دس برس چھ ماہ اور چار روز خلافت سنبھالی، ان کا عہد اسلامی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا دور فتوحات کا دور تھا۔ اسلامی خلافت کی حدود مشرق میں ترکستان افغانستان اور مکران، شمال میں بحیرہ خزر آذر بائیجان مشرقی اناطولیہ اور بحیرہ روم تک، مغرب میں مصر، بلاد النوریہ اور سوڈان اور جنوب میں بحیرۂ عرب سے جا ملی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ فتوحات کو اس قدر وسعت دینے کا نہ تھا، لیکن حالات اور واقعات نے مسلمانوں کو اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنے پر مجبور کر دیا۔ دنیا کے بڑے بڑے فاتحین کی فتوحات ان کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔ عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جنگوں کی قیادت کرتے رہے۔ دورِ فاروقی میں جو علاقے فتح ہوئے ان علاقوں میں آج کل یہ حکومتیں قائم ہیں۔

(۱) لیبیا (۲) مصر (۳) فلسطین (۴) شام (۵) اردن (۶) لبنان (۷) عراق (۸) ایران (۹) افغانستان (۱۰) سعودی عرب (۱۱) عمان (۱۲) قطر (۱۳) امارات متحدہ عرب عربیہ (۱۴) یمن جنوبی عدن وغیرہ (۱۵) پاکستانی بلوچستان (۱۶) روسی آذربائیجان (۱۷) مشرقی جنوبی ترکی (۱۸) روسی تاجکستان اور ازبکستان ترکمانستان (۱۹) کویت (۲۰) بحرین (۲۱) سوڈان شمالی حصہ۔

اسلام میں نظام حکومت کا دور عہد فاروقی سے شروع ہوا

اسلام میں نظام حکومت کا دور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت کا نظام قائم کیا اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں۔ وہ سب وجود میں آ چکے تھے۔

ان کا عدل ضرب المثل تھا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سادگی کو اپنایا۔فتوحات کی وسعت نے ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔مسلمانوں نے ان کی خلافت کے آغاز میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح بیت المال میں ان کے اہل وعیال کا حق مقرر کردیا تھا جس وقت مدینہ میں بیت المال میں غنیمت کے انبار لگے۔اس وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اتنا ہی حصہ لیا۔ جتنا ملک کے ایک عام مسلمان کا ہوتا ہے وہ خلافت کی بناء پر اپنا حق دوسروں کے حق سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔

ان کا عدل آج تک ضرب المثل ہے۔وہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ کے حساب سے ڈرنے والے تھے۔عدل وانصاف قائم کرنے میں وہ اپنے اعزاء واقارب کے ساتھ نرمی نہ برتتے تھے۔ان کا انصاف امیر وحقیر اور والئی ورعایا میں کوئی تمیز نہ کرتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن جمع ہوا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتنہ ارتداد،منکرین زکوٰۃ اور مدعیان نبوت کے تدارک کے ضمن میں جنگ یمامہ میں حفاظِ قرآن کی شہادت سے متاثر ہوکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا اور انہیں دلیل سے مطمئن بھی کر دیا۔اذان بھی آپ ہی کے مشورہ سے جاری ہوئی۔

دس سال کی مدت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی ترقی وشادابی کی مثال قائم کردی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ حقیقت میں اسلام کی عظمت ظاہر ہونے، شریعت اسلامیہ کی خوبیوں کے اجاگر ہونے اور مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور ہر حیثیت کے مستحکم ومضبوط ہونے کا زمانہ ہے۔آپ کا دورِ خلافت دس سال چھ ماہ اور

چار دن رہا، یہ مدت ملکی استحکام اور قومی ترقی کے لیے کوئی زائد مدت نہیں۔ اگرچہ یہ قلیل عرصہ تھا، لیکن اس عرصے ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دنیا کا نقشہ بدل کر دکھایا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ جو قوم خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرتی ہے۔ خدا اپنے وعدے کے مطابق اس کی اس طرح مدد فرماتا ہے کہ وہ جس طرف قدم اٹھاتی ہے، فتح و نصرت اس کے قدم چومتی ہے۔

آپ نے اعلانیہ ہجرت کی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی وہ شخصیت تھے۔ جنہوں نے مکہ سے ہجرت اعلانیہ کی۔ عام صحابہ تو چوری چھپے ہجرت کر رہے تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا کہ میں جا رہا ہوں، جنہیں اپنے بیٹے کو یتیم اور بیوی کو بیوہ کرنا ہو وہ فلاں جگہ مجھ سے دو دو ہاتھ کرے۔ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نہیں جانتا کہ عمر بن خطاب کے سوا کسی مسلمان نے اعلانیہ مکہ سے ہجرت کی ہو"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوات میں شامل ہوئے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، بدر کی لڑائی میں آپ نے شجاعت و بہادری کا وہ مظاہرہ کیا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ کسی مشہد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے۔ احد و حنین میں بھی آپ نے بہادری اور استقلال کا بے مثال ثبوت دیا۔

وفات

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو صبح نماز فجر کی ادائیگی کے لیے تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھے ہی تھے کہ ابولولو مجوسی نے زہر آلود خنجر سے آپ کے شکم مبارک میں تین کاری زخم

لگائے۔ آپ بیہوش ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ ذرا ہوش آیا تو فرمایا الحمد للہ ایک کافر کے ہاتھ سے مجھے شہادت ملی اور یکم محرم ۲۴ ہجری کو وصال فرمایا۔ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے پہلوئے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوئے۔ جیسے زندگی میں حضور کے ساتھ تھے۔ بعد وفات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ ہی رہے اور ہیں رضی اللہ عنہ۔

نگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قوت ایمانی اور اصابت رائے انہیں ذات رسالت سے قریب تر کرتی رہی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

۱) میرے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ (بخاری)

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نبوت کے کمالات موجود تھے اور اگر نبوت ختم نہ ہوتی، تو عمر رضی اللہ عنہ نبی ہوتے۔

۲) مجھے اس ہستی مقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس راہ سے عمر گزرتا ہے شیطان اس راہ سے ہٹ جاتا ہے۔ (بخاری)

۴) جنت میں فاروق اعظم کو ایک محل ملے گا۔ (بخاری)

۵) میری امت کا محدث عمر ہے۔

۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کے لیے دعا کی، "ان کے سینے میں جو کچھ بھی میل کچیل ہے، اسے دور فرما دے اور اس کے بدلے ایمان سے بھر دے"۔

۷) میرے دو وزیر آسمانوں میں جبرئیل و میکائیل ہیں اور دو زمین میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (ترمذی)

۸) ابوبکر و عمر انبیاء کے علاوہ جنت کے سب اگلے پچھلے امت کے ادھیڑ عمر کے لوگوں کے سید اور سردار ہیں۔ (ترمذی)

علی و فاروق رضی اللہ عنہما کی باہم محبت

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر اعظم اور معتمد علیہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبار بجانب شام سفر کیا، ہر دو موقع پر اپنی جگہ علی مرتضیٰ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد جن افراد کو شایانِ خلافت قرار، ان میں سب سے پہلے علی مرتضیٰ کا نام نامی تھا۔

ارشادات فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

- اللہ کی قسم! تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا۔ میرے سوا کوئی اسے طے نہیں کرے گا۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کی، تو میں بھی یقیناً ان کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ برائی کے ساتھ پیش آئے، تو میں بھی ضرور انہیں سزا دوں گا"۔
- اللہ سے ڈرو! مجھ سے درگزر کر کے میرا ہاتھ بٹاؤ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو، تمہاری جو خدمات اللہ نے میرے سپرد کی ہیں، ان کے متعلق مجھے نصیحت کرو، میں تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں اور اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں۔
- جو شخص مسلمانوں سے لالچ نہیں رکھتا۔ اس سے اہل اسلام محبت کرتے ہیں۔
- کسی کی دیانت داری پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو جب تک وہ لالچ سے باز آزاد نہ ہو جائے۔
- جو شخص اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے، وہ اپنا اختیار اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے اور راز ظاہر کرنے کے بعد وہ اپنا یہ اختیار دوسرے کو دے دیتا ہے۔
- نیکی کے بدلے نیکی کرنا، نیکی کا حق ادا کرنا ہے، اصل نیکی وہ ہے جو بدی کے جواب میں کی جائے۔

- حلال وحرام ایک جگہ جمع ہو جائیں تو حرام غالب آ جاتا ہے۔
- تین چیزوں سے محبت بڑھتی ہے، مجلس میں دوسرے کو بیٹھنے کی جگہ دینے، سلام کہنے اور اچھا نام لے کر پکارنے سے۔
- تھوڑی دنیا لو، تو آزاد رہو گے، زیادہ لو گے، تو پابند ہو جاؤ گے۔

جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضاؔ یاد اس کی اپنی عادت کیجئے
ہم تمہارے ہو کے کس کے پاس جائیں صدقہ شہزادوں کا رحمت کیجئے

حیاتِ فاروقی......ایک نظر میں

۵ھ بعثت نبوی	اسلام قبول کیا۔
۱ ہجری	ہجرتِ مدینہ۔
۲ ہجری	غزوہ بدر میں شرکت۔
۳ ہجری	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حفصہ کو پیغمبر اسلام کے عقد میں دیا۔
۴ ہجری	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایماء پر خواتین کے لیے پردہ کا حکم جاری ہوا۔
۵ ہجری	غزوۂ خندق میں شرکت۔
۶ ہجری	رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بن کر گئے۔
۷ ہجری	صلح حدیبیہ کے دوران موجودگی۔ غزوۂ خیبر میں شرکت۔
۸ ہجری	فتح مکہ میں شرکت۔
۹ ہجری	مسلمانوں کے پہلے سفر حج میں شرکت۔
۱۳ ہجری (۲۲ جمادی الثانی)	خلافت فاروقی کا آغاز۔ لشکر اسلام کی عراق روانگی، خالد بن ولید کی معزولی، معرکہ یرموک، یمن سے عیسائیوں کی جلاوطنی، جنگ مخل یعنی (دلدل والی جنگ)

۱۴ہجری	عہدِ فاروقی میں فتح دمشق، جنگ قادسیہ، اردن اور بیروت کی فتوحات
۱۵ہجری	فلسطین فتح کرنے کی خوش خبری۔
۱۶ہجری	بیت المقدس کو مسلمانوں نے حاصل کیا۔
۱۷ہجری	اسلامی مملکت میں غذائی قلت اور زبردست قحط کا مقابلہ کرنے کے لیے عہدِ فاروقی کی کامیاب تدابیر۔
۱۸ہجری	حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جابیہ سے واپسی۔
۱۹ہجری	شام کا حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ اسی سال کوفہ کی فتح، شہر کی تعمیر نو اور اسے چھاؤنی بنانا۔
۲۰ہجری	اصفہان، طوس، طبرستان اور آرمینیہ کی جانب ۵۲ ہزار سپاہ کی روانگی۔
۲۱ہجری	جرجان، طبرستان، بیفا، خزر اور آرمینیہ کے روسی اور ایرانی علاقوں پر اسلامی لشکر کا قبضہ۔
۲۳ہجری	جنازے کی چار تکبیروں کا فیصلہ اور نماز تراویح باجماعت پڑھنے کا حکم نظام ڈاک، جاگیرداروں کی تنسیخ ہر مسلمان بچے کے لیے وظیفہ اور تجارتی مقصد میں استعمال ہونے پر گھوڑوں پر محصول
۲۳ہجری	کرمان، ہرات، مرو، بلخ، خراسان اور سندھ و بلوچستان کے علاقوں میں لشکر فاروقی کی فتوحات، ہندوستان میں پیغام اسلام، ایرانی شہزادیوں کی گرفتاری اور آخری حج، بیت اللہ فتح مصر اور قاہرہ کی تعمیر نو۔
۲۳ہجری......	مسجد نبوی میں قاتلانہ حملہ
۲۴ہجری (یکم محرم)......	شہادت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے قریب تدفین۔

خلیفہ سوم امیر المؤمنین سیّدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ

(وفات ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ)

امیر المؤمنین امام المجاہدین سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آغازِ بعثت میں اسلام لائے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب ذوالنورین ہے، جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا عثمان وہ شخصیت ہیں، جنہیں ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ عشرہ مبشرہ میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ قبول اسلام میں چوتھے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین ہے

آپ کا لقب غنی اور ذوالنورین ہے۔ کیونکہ آپ بیحد مخیّر تھے اور اسلام لانے کے بعد مسلمانوں خصوصاً اسلامی جنگوں میں آپ نے بیحد مالی اعانت کی۔ اس لیے آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنی کا لقب مرحمت فرمایا اور چونکہ آپ کے عقد میں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ اس لیے ذوالنورین (یعنی دو نور والا) کا لقب ملا۔

حضرت عثمان ان چند صحابہ میں سے ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے اور جنہیں ایمان لانے والوں میں سبقت کرنے والے کہا جاتا ہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہونے کے بعد مکہ کے کافروں نے دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کو بھی ستایا۔ خود آپ کے بزرگ حکم بن العاص نے آپ پر بہت سختی کی۔ ایک دفعہ آپ کو ایک کوٹھڑی میں بند کیا اور اس میں اتنا دھواں بھرا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا، لیکن آپ کے ایمان میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور اسلام کے دشمن

انہیں دین سے برگشتہ نہ کر سکے۔

جمع و ترتیب قرآن کا شرف جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ملا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن شریف ایک لہجہ اور قرأت پر جمع کیا گیا اور جمع و تدوین قرآن کا اور اس کی اشاعت کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔ مختلف اقطاع کے لوگ اپنے اپنے لہجے کے مطابق اس کی قرأت کرتے تھے۔ جناب حذیفہ اور ابن مسعود نے خلیفہ وقت کی توجہ مبذول کرائی۔ چنانچہ قراۃ کی ایک مجلس منعقد کی گئی۔ معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس خلیفہ اوّل کے وقت سے ترتیب شدہ جو مسودہ ہے اور جس کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی اصول پر قرآن جمع کیا گیا اور اس کی سورتوں کی ترتیب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخہ مطابق مسلم قرار پائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کر دیا کہ تمام مسلمان اپنے اپنے نسخوں کو لے کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخے کے مطابق کر لیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے مکمل نسخوں کی اشاعت اپنی مہر لگا کر کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو سراہا اور کہا کہ اگر میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی یہی کرتا جمع اور ترتیب قرآن کا یہ حکم ۳۰ھ میں جاری اور نافذ ہوا۔

حضرت امام ذوالنورین کا انتخاب

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل مدینہ کے اکابر، صحابہ کرام سے مشورہ کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کی ذمہ داری کے لیے تجویز کیا تھا اور خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں امیر المومنین منتخب کر لیا، جب ان کی وفات قریب ہوئی اور وہ زخمی حالت میں تھے، تو انہیں مسلمانوں کے مستقبل کا خیال پریشان کر رہا تھا۔

انہوں نے چھ حضرات کے اوپر یہ چھوڑا کہ وہ باہمی مشورہ سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کرلیں، ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ مذاکرات اور مشوروں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ ہجری کو حضرت عثمان بن عفان خلیفہ مقرر ہوئے اور تین دن تک بیعت کا سلسلہ چلتا رہا۔

عثمان رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے

غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں ذوالنورین شریک ہوئے۔ جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے حضرت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ میں اپنے جانشین کے طور پر چھوڑ دیا تھا۔ غزوۂ احد، غزوۂ بنونضیر، غزوۂ خندق، جنگ خیبر اور جنگ حنین میں آپ برابر شریک رہے، خلیفہ اوّل اور خلیفہ دوم کے عہدِ خلافت میں حضرت جامع القرآن نے ان سے مکمل تعاون کیا، ہر معاملے میں ان کے مشیر رہے۔ مجلس شوریٰ کے انتہائی اہم رکن تصور کیے جاتے تھے اور نہایت صدق وخلوص کے ساتھ مشورے دیتے تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ ہجری مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء بروز یک شنبہ خلیفہ ثالث کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔

خلافتِ عثمانی اسلامی فتوحات کا دور تھا

حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں ۲۴ ہجری سے ۳۲ ہجری تک مشرقِ وسطیٰ کی بڑی بڑی مہمات جاری رہیں۔ افریقہ میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ ۲۵ ہجری سے ۳۱ ہجری تک جاری رہا۔

آپ کے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ کی حدود ہندوستان، روس، افغانستان،

لیبیا، الجزائر، مراکش اور بحیرہ روم کے جزائر تک وسیع ہوگئی تھیں۔ فتوحات کا سلسلہ آرمینیا کے علاقے سے شروع ہو کر بحیرہ روم کے جزیرہ اروا کی تسخیر پر ختم ہوا۔ مفادِ عامہ کے کاموں میں سڑکیں بنوائی گئیں۔ مہمان خانے تعمیر کرائے گئے۔ دریا وغیرہ پر پل باندھے گئے، مساجد کثرت سے تعمیر کرائی گئیں۔ مفتوحہ علاقوں میں چھاؤنیاں قائم کیں۔ چراگاہوں میں مویشیوں کے لیے چشمے کھدوائے۔ رعایا کی آسائش کے لیے سڑکیں پل اور مسافر خانے بنوائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محرم ۲۴ ہجری سے ذی الحجہ ۳۵ ہجری تک خلافت کے فرائض اور ذمہ داری نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے پورے کیے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں نے بہت ترقی کی۔ بہت سے ملک فتح کیے۔ قیصرِ روم کی طاقت کا بھی خاتمہ ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار تھے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسلام کے لیے جان و مال نثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ کوئی ضرورت مند آپ کے دروازہ سے کبھی مایوس ہو کر نہیں گیا، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرنا ان کا معمول تھا۔

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ مسجدِ نبوی میں تمام نمازی سما نہیں سکتے تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"کون ہے جو فلاں فلاں خاندان کی زمین کا ٹکڑا خرید کر وقف کرے گا۔ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی"۔

یہ سنتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ قطعہ زمین خرید کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے ۲۹ ہجری میں مسجدِ نبوی میں بھی توسیع کی

اور مسجد حرام میں بھی توسیع کی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ عثمان ہم سب سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والے متقی اور پرہیزگار تھے، وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان اور تقویٰ میں درجہ کمال حاصل کر لیتے ہیں۔

جس وقت تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کا سامان جمع کر رہے تھے۔ حضرت جامع القرآن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک ہزار اشرفیاں آپ کی گود میں ڈال دیں۔ ساقی کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اشرفیوں کو اپنی گود میں الٹتے پلٹتے رہے اور فرماتے تھے کہ عثمان کو اب کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ آج کے بعد جو چاہیں کریں، دو مرتبہ صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ دہرایا۔

غزوہ تبوک کے سلسلے میں ایک اور روایت حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اکٹھا کیا اور جہاد کی اہمیت وفضیلت پر روشنی ڈالی۔ تاکہ لوگ اپنا مال اس کے لیے دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے ہوئے اور ساز و سامان کے ایک سو اونٹ پیش کرنے کا اعلان فرمایا۔ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خطبہ جاری رکھا۔ یہ پھر دوبارہ کھڑے ہوئے اور دو سو اونٹ دینے کا اعلان فرمایا، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔

خلیفہ ثالث پھر تیسری مرتبہ کھڑے ہوئے اور تین سو اونٹ دینے کا اعلان فرمایا، اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور فرمایا ''کہ عثمان کے اس عمل کے بعد انہیں آخرت میں اور کسی چیز کی ضرورت ہے جو نجاتِ اخروی کے لیے درکار ہو''۔

تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ محبت والفت جامِ شہادت نوش کرتے وقت تک قائم رہی، چنانچہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سے مدینہ چھوڑ کر شام چلنے کو کہا، تو فرمایا: ''میں نہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑوں گا اور نہ ہی روضہ اقدس کے قرب سے محرومی

مجھے گوارا ہے۔ جان جاتی ہے تو جائے۔

امام ذوالنورین مہاجر اوّل ہیں

مکے میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے کفار بہت مشتعل ہو گئے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کے ظلم و ستم کا شکار ہو رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر معہ اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہ پہلا قافلہ تھا جس نے حق و صداقت کی محبت میں وطن چھوڑ کر ہجرت کی تھی، چند سال بعد وہ واپس مکہ تشریف لے آئے، اور مدینہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ ہوا، چنانچہ وہ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے، مدینہ جا کر وہ حضرت اویس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مہمان رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت خریدی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲ مرتبہ جنت خریدی۔ ایک دفعہ اس وقت جب انہوں نے مدینہ میں چاہ رومہ خرید کر مسلمانوں کیلیے وقف کر دیا۔ دوسری دفعہ اس وقت جب جنگ تبوک کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

مدینہ شریف آ کر مسلمانوں کو پانی کی شدید دقت تھی۔ ایک یہودی کے پاس کنواں تھا۔ جس کو اس نے ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وہ کنواں اٹھارہ ہزار روپے میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ ان کے اس جذبہ ایثار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کو بیحد متاثر کیا آج بھی یہ کنواں بیئر رومہ کہلاتا ہے۔ پانی موجود ہے، بہت ہی میٹھا اور عمدہ پانی ہے۔ یہ کنواں مدنیہ شریف کی آبادی سے تقریبا چار میل پر واقع ہے۔ تمام زائرین اس کنویں پر جاتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی تیاریوں کا اعلان کیا، کیوں کہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت روم کا مقابلہ کرنا تھا اور مسلمان بے سروسامان تھے، چنانچہ حضرت عثمان نے اکیلے سارے لشکر کے لیے سامان جنگ وغیرہ خرید کر دیا۔ اس کے علاوہ بھاری رقم نقد بھی دی۔ آنحضرت اس امداد سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب اگر عثمان نفلی ثواب کا کوئی کام نہ بھی کریں تو حرج نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات اپنے ذمے لیے، ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

''آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا''۔

قرآن کی جمع و تدوین اور اس کی اشاعت کا شرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا

امام ذوالنورین کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کی جمع و تدوین اشاعت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے عہد صدیقی کا مدون کیا ہوا نسخہ لے کر حضرت سعید بن العاص سے اس کی نقل کرا کر تمام ممالک محروسہ میں اس کی اشاعت کی۔ یہ امت مسلمہ پر احسان عظیم ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی، تو حضرت کے حکم سے آپ اسے لکھ لیا کرتے تھے۔ کاتب وحی ہونے کے علاوہ آپ حافظ قرآن بھی تھے۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن کریم حفظ کیا۔ اور آپ اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے حافظ قرآن ہیں۔

وحی کے علاوہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اور نجی خطوط بھی آپ لکھا کرتے تھے

اور اس طرح آپ کاتب نبی بھی تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت عابد و زاہد تھے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی راتیں عبادت و ریاضت میں بسر ہوتیں۔ ہر روز عشاء کی نماز کی امامت سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوتے، وتر کی ادائیگی میں پورے قرآن پاک کی تلاوت کر لیتے تھے۔

جس دن شہادت ہونے والی تھی آپ روزہ سے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تشریف لائے، فرمایا عثمان جلدی کرو ہم تمہارے ساتھ افطار کے منتظر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو فرمایا:

میری وفات کا وقت آ گیا ہے۔

جب باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کیا، تو ان کی سرکشی اتنی بڑھی کہ دیواریں پھاند کر گھر میں کود گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روزے سے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ انہوں نے باغیوں سے کہا:

"تم سخت غلطی کر رہے ہو۔ اگر مجھے شہید کیا تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ پھر تم نماز تک اکٹھے نہ پڑھ سکو گے"۔

۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھتے ہوئے شہید کر دیا گیا، ان کی زوجہ نائلہ بچانے کے لیے دوڑیں، تو ان کی ہتھیلی اور انگلیاں کٹ گئیں۔ قرآن حکیم کی آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پر خون کے چھینٹے گرے، اس واقع کے بعد مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف چلنے لگیں۔ بلاشبہ امام ذوالنورین کی شہادت تاریخ اسلام کا سب سے بڑا سانحہ کہے جانے کا مستحق ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال امور خلافت انجام دیے ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری بعمر ۸۲ سال جام شہادت نوش فرمایا۔

بیعت رضوان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حدیبیہ کے مقام پر تقریباً ڈیڑھ ہزار مہاجرین و انصار روشن ستاروں کی طرح ماہتاب نبوت کو گھیرے ہوئے ہیں۔ چشم فلک نے ان سے بہتر امت نہ کبھی دیکھی تھی اور نہ آئندہ دیکھ سکے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ کوئی مکے جائے اور قریش کو اطلاع دے کہ مسلمان پر امن طریقہ پر مکہ میں طواف کعبہ کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کام کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا گیا اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ابوسفیان کو دیا۔

ابوسفیان نے صاف انکار کر دیا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا، یہاں آئے ہو تو کعبہ کا طواف بھی کر لو۔ وہ کون سا مسلمان ہے جو بیت اللہ کو دیکھ کر پروانہ وار طواف کے جذبہ سے بے چین نہ ہو جائے؟ اور پھر سیّدنا عثمان جیسا عابد و زاہد۔ اللہ اکبر۔ مگر یہاں جذبہ عشق نبوی اور عبادت الٰہی میں کش مکش شروع ہو گئی۔ ذوق عبادت کہتا ہے کہ برسوں کے بعد طواف کا موقع ملا ہے کر لو طواف کعبہ۔ خدا جانے پھر موقع ملے نہ ملے اور ادھر عشق بار بار کعبہ حقیقت کی یاد دلا رہا ہے۔ وہ قبلہ مقصود جس کا ہر نقش قدم قبلہ گاہ دو عالم ہے۔ اس کش مکش میں زیادہ وقت نہیں ہوا' ادھر طواف کی فرمائش ہوئی ادھر زبان عثمان سے بے ساختہ ایک نورانی جملہ نکلا، جو شمع رسالت کے پروانوں کے لیے مثالی اور بلند ترین نمونہ گفتار و کردار ہے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرا کعبہ حقیقت تو حدیبیہ میں جلوہ افروز ہے۔ اس کے بغیر میں تنہا کس طرح طواف کعبہ کر سکتا ہوں''؟

بلاشبہ مناسک حج و عمرہ بجائے خود عشق و دیوانگی کا سب سے بڑا عملی درس ہے۔ لیکن امیر المومنین سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ ایک بصیرت افروز اور عشق انگیز جملہ عشق و محبت کی پوری کائنات اور تمام مناسک پر بھاری ہے۔ جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے

ذوق عبادت کو عشق نبوت پر قربان کر دیا اور امت کو بتا دیا کہ ایمان اسے کہتے ہیں۔

ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ سے واپس نہ ہوئے تھے کہ یہ غلط خبر پھیل گئی کہ عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ مسلمان یہ خبر سن کر تڑپ اٹھے، لیکن اس خبر نے سب سے زیادہ جس کو تڑپایا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کے بغیر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو طواف کعبہ کرنا بھی گوارا نہ تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر یا ببول کے درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور آواز دی کہ "آج سر دھڑ کی بازی لگا دو، کٹ مرنے کی بیعت کرو"۔ یعنی عثمان کا خون اتنا سستا نہیں کہ اسے خاموشی سے گوارا کر لیا جائے۔ خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے کٹ مرنے کا عہد کرو۔ عجیب منظر تھا۔ ڈیڑھ ہزار صحابہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت ہو رہے تھے۔ ان میں صدیق و فاروق اور علی مرتضی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ یہ بیعت اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ قرآن میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان بیعت کرنے والوں سے راضی ہو گیا۔ اللہ اکبر خون عثمان کے احترام میں ڈیڑھ ہزار اشرف الناس نفوس قدسیہ سے اللہ کے رسول نے بیعت لی اور اس ادائے بیعت پر قدرت بھی جھوم اٹھی اور سندِ رضوان و پروانہ ایمان نازل فرما دیا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔

"بلاشبہ اللہ راضی ہو گیا ان ایمان والوں سے جنہوں نے اے نبی تیرے ہاتھ پر بیعت کی درخت کے نیچے"۔

غور کیجیے اس سے بڑا مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ خون عثمان کو اتنا قیمتی قرار دیا گیا کہ ڈیڑھ ہزار مہاجرین وانصار سے بیعت لی گئی۔ کیا کسی دور میں کسی انسان کا خون اتنا قیمتی قرار دیا گیا ہے؟ جتنا کہ عثمان کا جب تمام اہل ایمان بیعت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے اب میں عثمان کی بیعت لیتا ہوں"۔

غور کیجیے

۱) بیعت مرے ہوئے کی نہیں لی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت لے کر یہ اشارہ کر دیا کہ عثمان زندہ ہیں شہید نہیں ہوئے ہیں۔ یہاں یہ نہ پوچھیے کہ حضور ﷺ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا؟ پیغمبر اسلام کی نگاہیں زبان و مکان کی حدوں کو چیر کر بھی آگے نکل جاتی ہیں اور وراء الوراء کے غیوب کو بھی دیکھ لیتی ہیں۔

۲) پھر اہل علم و دانش کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی اپنے دست مبارک کو کسی دوسرے کا ہاتھ قرار نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ وہ جسے خدا اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے۔ اے رسول ﷺ! جو لوگ تمہاری بیعت کر رہے ہیں۔ یہ (تمہارا ہاتھ نہیں) خدا کا ہاتھ ہے جو ان سب ہاتھوں کے اوپر ہے"۔

سبحان اللہ حضور ﷺ نے عثمان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ مختصر یہ کہ بیعت رضوان جناب امام ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کامل الایمان مخلص مسلمان، جاں نثار رسول ہونے اور اسلام میں ان کے رتبہ کی عظمت و رفعت بلندی و برتری کے ثبوت کے لیے ایک ایسا نورانی واقعہ ہے جس کا انکار آفتاب کے انکار کے لیے مترادف ہے۔

فضائل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا ہے کہ "الٰہی میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو"۔ عثمان خدا تمہارے اگلے پچھلے ظاہر اور چھپے ہوئے اور روزِ قیامت تک ہونے والے گناہ معاف کر دے جنت میں عثمان میرے رفیق ہوں گے"۔

"عثمان دنیا اور آخرت میں میرے قریبی دوست ہیں"۔

''عثمان شرمیلی طبیعت کے مالک ہیں، ملائکہ بھی ان سے شرماتے ہیں''۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمٹ کر بیٹھ جاتے اور اپنے کپڑے کو بھی سمیٹ لیتے۔ ایک روز کسی نے پوچھا یا حضرت آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ عثمان کے آنے پر اس قدر سمٹ کیوں جاتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا میں ایسے آدمی سے کیوں شرم نہ کروں جس سے خدا کے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں۔ (مسلم)

ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں اور میرے رفیق جنت میں عثمان ہیں۔ (ترمذی)

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کا سامان کر رہے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار اشرفیاں آستین میں رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور آپ کی گود میں ڈال دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان اشرفیوں کو اپنی گود میں الٹتے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے کہ عثمان کو اب کوئی عمل نقصان نہیں دے سکتا۔ آج کے بعد جو چاہیں کریں دو مرتبہ یہی فرمایا۔

(مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا تو آپ نے اپنے پاؤں سے اسے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اے احد ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں (یعنی حضرت عمر اور عثمان)۔ (صحیح بخاری)

دورِ عثمانی ایک نظر میں

1) ۳۴ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔

2) اولین چودہ مسلمانوں اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔

3) حبشہ اور مدینہ کی ہجرتیں کیں۔

4) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم

نکاح میں آئی۔

۵) بدر کے سوا تقریباً تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

۶) آپ کی شرم وحیا اور سخاوت ضرب المثل تھی۔

۷) اکثر غزوات کے لیے بھاری عطیات دیے۔

۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر مسجد نبوی کی توسیع کے لیے زمین خرید کر پیش کی۔

۹) بیر رومہ خرید کر اہل مدینہ کی نظر کر دیا۔

۱۰) حضرات شیخین کے ادوارِ خلافت میں ان کے قربی معتمد رہے۔

۱۱) یکم محرم ۲۴ ہجری کو تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔

۱۲) ان کے دور میں مملکت اسلامیہ کی حدود ہندستان، روس، افغانستان، پاکستان، لیبیا، الجزائر مراکش اور بحیرۂ روم کے جزائر تک وسیع ہو گئیں۔

۱۳) مسلمانوں نے بحری لڑائیوں میں رومیوں کو فیصلہ کن شکست دی۔

۱۴) کئی ملکوں میں بغاوتوں کو کامیابی سے کچلا گیا۔

۱۵) ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری بروز جمعہ شہید کیے گئے۔

حضرت امام ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ارشادات

❁ دنیا کے رنج وغم سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کے فکر واندوہ سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔

❁ مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ بھوکوں کو آسودہ رکھنا، ننگوں کا تن ڈھانپنا اور قرآن حکیم کی تلاوت کرنا۔

❁ سب سے زیادہ بربادی یہ ہے کہ کسی کو بڑی عمر ملے اور وہ سفر آخرت کی کچھ تیاری نہ کرے۔

❁ دنیا جس کے لیے قید خانہ ہو قبر اس کے لیے باعث راحت ہوگی۔

- محبت اللہ کو تنہائی محبوب ہوتی ہے۔
- جب لوگوں کو اچھا کام کرتے ہوئے دیکھو تو ان کے ساتھ شریک ہو جایئے۔
- اللہ کے ساتھ تجارت کرو تو بہت نفع ہوگا۔
- تعجب ہے اس پر جو دوزخ کو برحق جانتا ہے اور پھر گناہ کرتا ہے۔
- تعجب ہے اس پر جو اللہ کو حق جانتا ہے اور غیروں کا ذکر کرتا ہے اور پھر ان پر بھروسہ کرتا ہے۔
- بندگی کے یہ معنی ہیں کہ مسلمان احکام الٰہیہ کی اطاعت کرے جو عہد کسی سے کرے پورا کرے۔ جو کچھ مل جائے اس پر صبر کرے۔



خلیفہ چہارم امیر المومنین مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(وفات ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ ہجری)

آپ کا نام نامی علی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ آپ کے والد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں پیدا ہوئے آغوشِ نبوت میں تربیت پائی

جناب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی ولادت مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ شریف کے اندر ۱۳ رجب ۳۰ ہجری عام الفیل بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام علی رکھا۔ آپ کے والد بزرگوار ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف ہیں۔ باعتبار نسب آپ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی ہیں۔ آپ کی کنیت ابوتراب اور مشہور لقب حیدر کرار ہے۔ آپ کی تربیت تمام وکمال حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش رحمت میں ہوئی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوئی۔ تو اس کے ایک دن بعد شرف ایمان سے فیض یاب ہوئے اس وقت آپ کی عمر گیارہ سال تھی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مسجد نبوی میں ایک سائل نے سوال کیا، کسی نے کچھ نہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں تھے۔ اپنی انگلی کی انگوٹھی کی طرف اشارہ کر دیا اور سائل نے انگوٹھی اتار لی، خوش وخرم واپس ہوا۔

شانِ علی رضی اللہ عنہ

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر فرمایا:

''تمہاری حیثیت میرے ساتھ ایسی ہے۔ جیسے ہارون کی موسیٰ کے ساتھ۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔ (ترمذی)

''علی میرے ہیں اور میں علی سے ہوں''۔ (ترمذی)

''جس کا میں مددگار ہوں، علی بھی اس کے مددگار ہیں''۔ (احمد)

''میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں''۔ (ترمذی)

''منافق علی سے محبت نہیں رکھتا اور مومن علی سے بغض نہیں رکھ سکتا''۔

(ترمذی)

''جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی''۔ (احمد)

''علی کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے''۔ (ترمذی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا شاہکار ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ محبوبِ خدا، سیّد الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا شاہکار ہیں۔ آپ نے تاریخ کے مہیب اندھیرے میں حق وصداقت کا چراغ روشن کیا، حکمت علم وفضل اور بلاغت میں آپ اپنی نظیر تھے۔ آپ کی شجاعت و بہادری تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے۔ آپ کی سیرت، سیرت نبوی کے گرد گھومتی ہے۔ آپ نے حق اور حقیقت کے لیے جان جیسی عزیز چیز قربان کردی۔ فاتح خیبر شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ آپ تقویٰ وطہارت، شجاعت علم اور حسن اخلاق کا مجسمہ تھے۔ ان کی زندگی، سادگی اور فقر کا کامل نمونہ تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایثار وقربانی کا نمونہ تھے

ایک دفعہ حسین رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس صاحبزادے کو شفا دے دے، تو وہ تین روزے رکھیں گے۔ نذر قبول ہوئی۔ آپ

نے روزہ رکھا اور افطار کے لیے کچھ نہ تھا۔ آپ تھوڑی سی روئی لائے۔ خاتون جنت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس روئی کو کاتا اور اس کی اجرت سے جو پیسے آئے۔ اسکا آٹا منگوا کر روٹیاں پکائیں جب افطار کا وقت آیا، تو ایک مسکین نے دروازہ پر سوال کیا۔ آپ نے وہ روٹیاں مسکین کو دے دیں اور خود پانی پر اکتفا کر کے صبح کو روزہ رکھا۔

قرآن مجید کی آیت ان الابرار یشربون من کاس الخ۔ آپ ہی کی شان سخاوت وغرباء پروری کے متعلق نازل ہوئی۔

مسند خلافت پر جلوہ افروزی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۶ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو آپ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسلمانوں میں فتنہ کا دروازہ کھل چکا تھا، چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پیشوائے طریقت ہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، نجیب الطرفین ہاشمی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق، سرخیل اولیاء اور خلیفہ چہارم ہیں۔ بحرِ علم و حکمت، مخزنِ سخاوت، سلطان الشجاع، رہبر اولیائے اللہ مظہر العجائب، امام المشارق والمغارب، راز دان شریعت و پیشوائے طریقت ہیں۔ انا مدینة العلم و علی بابها سے آپ کا علوم نبوت کا مظہر ہونا واضح ہے۔

خلفائے ثلاثہ کے آپ مشیر تھے

حضرت صدیق و فاروق و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہائے خلافت میں آپ ان کے معتمد مشیر۔ دست و بازو رہے۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب عمر رضی اللہ عنہ کے بہترین ہمدرد تھے۔

بسترِ رسول پر آرام کرنے کا شرف

ہجرت کے وقت آپ کو ایک اور شرف عطا ہوا۔ جب حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کا قصد فرمایا۔ تو جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ کے بستر پر چادر اوڑھ کر لیٹ جائیں اور دوسرے دن لوگوں کو امانتیں واپس کر دیں جو ''محمد الامین'' کی تحویل میں تھیں۔ گھر کے باہر ننگی تلواریں چمک رہی تھیں اور نیزے لہرا رہے تھے۔ کفار اس بستر پر لیٹنے والے کے خون کے پیاسے تھے۔ مگر علی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خواب راحت کے مزے لے رہے تھے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اس رات بستر نبوی پر لیٹے لیٹے علی نے مدارج اور مراتب کی کتنی منزلیں طے کر لیں تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں کوئی گزند نہ پہنچی۔ مگر انہوں نے تو راہِ خدا میں اپنے آپ کو وقف کر دیا اور وہ اس رات کے ایک ایک لمحے میں شہادت عظمیٰ کے مقام پر فائز رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں شریک ہوئے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سوائے غزوۂ تبوک کے تمام غزوات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوئے۔ غزوۂ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے۔ ان میں سے ۲۱ مشرک آپ کی تیغ سے قتل ہوئے تھے۔ غزوۂ احد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے اپنے نرغہ میں لے لیا۔ تو اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر کفار پر شدید حملے کیے اور شجاعت کا بے مثل کارنامہ پیش کیا۔ غزوۂ خندق میں جب عمرو بن عبدود نے جو قوت اور بہادری میں ہزار آدمیوں پر بھاری سمجھا جاتا تھا۔ مقابل صفِ عسکرِ اسلام ہوا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں نکلے اور ذوالفقار نے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس طرح عمرو بن عبدود کے قتل سے دشمنان اسلام کی

کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فتح خیبر کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا

خیبر کا قلعہ قموص جب فتح نہ ہو سکا، تو حضور ﷺ نے لشکر اسلام کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ حضور ﷺ نے لعاب مبارک لگا دیا۔ آشوب چشم جاتا رہا۔ آپ ایک ہی جست میں خندق کو پار کر کے قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گئے۔ اس کے ایک کواڑ کو ڈھال بنا کر لڑے اور قلعہ فتح کر لیا۔ آپ کے اس تحیر کن قوت کو دیکھ کر دنیا حیران رہ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں جست لگاؤں تو آسمان تک پہنچ جاؤں حضور ﷺ کے لعاب مبارک ہی کی برکت تھی آپ سخت جاڑوں کے موسم میں باریک قسم کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

صحابہ و اہل بیت سے محبت اور ان کا احترام ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھنا عبادت ہے۔ اولیاء اللہ کے فیض و ہدایت کا مرکز علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ قطب ابدال اوتاد جناب علی سے تربیت حاصل کرتے۔ ان کی امداد و اعانت سے راہ سلوک طے کرتے ہیں۔ جناب علی رضی اللہ عنہ سے محبت اہلسنت ہونے کی شرط ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ ذوالحجہ ۳۵ ہجری میں خلیفہ ہوئے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ ہجری کو شہید ہوئے۔ جناب حسن و حسین کے علاوہ آپ کی دیگر ازواج سے سولہ فرزند تھے۔ بعض نے تصریح کی کہ آپ کے کل انیس بیٹے ۱۸ بیٹیاں تھیں۔ چھ صاحبزادے آپ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔ باقی تیرہ میں سے چھ یعنی عباس بن علی، عثمان بن علی، عمر

بن علی، ابوبکر بن علی، ابوالقاسم، محمد بن علی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید ہوئے۔ دنیا میں اس وقت صرف پانچ بیٹوں حسن، حسین، محمد بن حنیفہ، عباس، عمر سے آپ کی نسل چل رہی ہے۔

شہادت

۱۸ رمضان المبارک ۴۰ ہجری جامع مسجد کوفہ میں تھے کہ شقی ازلی ابن ملجم خارجی نے اس شمع ہدایت پر جس کی حیات کا ایک ایک لمحہ نوع انسانی کے لیے مشعل راہ تھا اور جو تقویٰ، پرہیزگاری، علم و معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ زہر آلود خنجر سے زخمی کیا اور یہ علم و فضل کا آفتاب ۲۱ رمضان المبارک کو غروب ہو گیا۔ آپ کا روضہ اقدس نجف اشرف میں فیوض ولایت محمدی کا مرکز اور اولیاء امت کا ملجا و ماویٰ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات

آپ فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس جمیل تھے۔ آپ کے اقوال اور خطبے اثر پذیری میں آپ اپنی مثال تھے۔

۱) اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے...... کی ہمت کی ہے، مایوس ہو جا، کسی اور کو فریب دے، تیری عمر کوتاہ، تیرا عیش بے حقیقت، تیرا خطرہ زبردست، ہائے زادِ راہ کس قدر کم ہے۔ سفر کتنا طویل...... اور راستہ کس قدر وحشت ناک ہے''۔

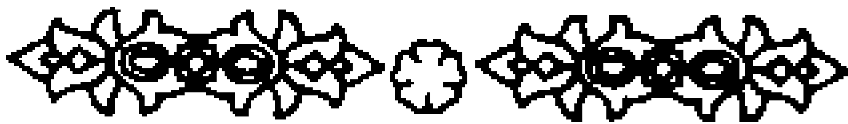
۲) کسی حریص کو اپنا مشیر نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ تم سے وسعت قلب اور استغنا چھین لے گا۔

۳) کسی بزدل کو اپنا مشیر نہ بناؤ، کیونکہ وہ تمہارے ولولوں اور حوصلوں کو شکست دے دے گا۔

۴) کسی جاہ پسند کو اپنا مشیر نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارے اندر حرص و ہوا پیدا کر دے گا۔اور تمہیں ظالم اور آمر بنا دے گا۔

۵) تنگ دلی، بزدلی اور حرص انسان سے اس کا ایمان سلب کر لیتی ہے۔

۶) ایسے لوگ تمہارے لیے بہتر مشیر ثابت ہو سکتے ہیں، جنہیں خدا نے ذہانت اور بصیرت سے نوازا ہوگا جن کے دامن پر کسی گناہ کا داغ نہ ہو اور جنہوں نے کبھی کسی ظالم کی اعانت نہ کی ہو۔



خلیفہ راشد سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

(وفات ۵ ربیع الاوّل ۵۰ ہجری)

۱) سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سیّدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کے صاجزادے اور حضور سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس نواسے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ رمضان المبارک کی ۱۵ تاریخ ۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور بعمر ۴۷ سال ۵۰ ہجری یا ۴۹ ہجری میں وصال فرمایا اور جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں دفن ہوئے۔

۲) آپ چال ڈھال شکل وشبہات میں اور رنگ و روپ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے، بڑے عابد زاہد تھے۔ راہ خدا میں دو مرتبہ آدھا مال صدقہ کیا اور ۲۵ حج پیدل کیے۔ بہت ہی سخی حلیم، ذی وقار اور صاحب حشمت تھے۔

۳) زندگی بھر فحش کلمہ زبان سے نہیں نکالا، لڑائی، جھگڑا، اور فتنہ و فساد کو بہت برا سمجھتے تھے۔ اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد سات ماہ تک مسند خلافت پر متمکن رہے۔ جب اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، تو جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی شکل پیدا ہوگئی۔ آپ نے مسلمانوں کی باہم لڑائی اور خونریزی کو پسند نہ کیا اور چند شرائط کے ساتھ خلافت جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور صلح ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرا بیٹا مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"

۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر

بیعت کی تھی۔ بیعت کرنے والے چالیس ہزار تھے اور آپ نے خلافت کا کام جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ۱۵ جمادی الاولیٰ ۴۱ ہجری میں سپرد کیا تھا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے تیرہ حدیثیں مروی ہیں:

۵) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے آپ کے صاحبزادے حسن بن حسن، حضرت ابو ہریرہ اور ایک بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے اور آپ سے تیرہ حدیثیں مروی ہیں۔

۶) کرمانی شرح بخاری میں ہے کہ آپ کے فضائل ومناقب بے حد و بے شمار ہیں۔ حضور سیّد عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتہ جو آج سے قبل زمین پر نازل نہیں ہوا اس نے مجھے منجانب اللہ بشارت دی ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (ترمذی)

''حسن وحسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کندھوں پر بٹھایا، تو کسی نے کہا سواری بڑی شاندار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ سوار بھی بڑی شان والا ہے۔ (حاکم)

بوقت سجدہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ مبارک پر چلے جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک سر اقدس نہیں اٹھاتے تھے۔ جب تک جناب حسن اتر نہ جاتے تھے۔

۷) آپ کا نام حسن، حضرت جبرئیل علیہ السلام کی فرمائش پر رکھا گیا، سیدنا امام حسن، ائمہ اثنا عشرہ میں امام دوم ہیں۔ لقب تقی، وسیّد عرف سبط رسول اور آخر الخلفاء بالنص بھی آپ کو کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسن وحسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں''۔ (ترمذی)

سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بہت زاہد متقی، پرہیزگار، سخی، فیاض، نہایت حلیم اور صاحب وقار تھے۔ فتنہ وفساد اور خون ریزی سے آپ کو نفرت تھی۔ اسی بناء پر آپ نے چند ماہ

چند روز کوفہ میں امورِ خلافت انجام دے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ سالانہ جناب حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مقرر تھا۔ آپ کی شہادت زہر کے اثر سے ہوئی۔ آپ کو کس نے زہر دیا؟ اس کے متعلق صرف یہ فرمایا:

"جس پر میرا شبہ ہے۔ اگر وہی ہے تو اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے۔ ورنہ میرے واسطے کوئی کیوں ناحق قتل کیا جائے۔ ۵ ربیع الاوّل ۵۰ ہجری میں امام حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔

۵) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

آپ فضلائے صحابہ و غازیان اسلام سے ہیں۔ تمام معرکوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ آپ آغاز میں ہی اسلام لائے۔ آپ کی بیوی فاطمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ یہ ہی فاطمہ ہیں۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بنیں۔ متقی پرہیز گار ایسے تھے کہ مروان کے دربار میں ایک عورت نے شکایت کی کہ سعید نے میری زمین غصب کر لی ہے۔ جب مروان نے آپ کو طلب کیا حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میری نسبت یہ خیال کرتے ہو۔ حالانکہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے جو شخص ایک بالشت بھر زمین کسی کی ظلم سے حاصل کرے گا۔ قیامت کے دن ساتوں زمینوں کے طوق اس کی گردن میں ڈالے جائیں گے۔ اس کے بعد بارگاہ الٰہی میں عرض کی، اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اے خدا تو اسے اندھا کر دے اور اسے اس کے گھر کے کنویں میں گرا دے تاکہ مسلمانوں پر میری صداقت واضح ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس عورت کی بینائی جاتی رہی اپنے ہی مکان کے کنویں میں گر گئی اور وہی کنواں اس کی قبر بن گیا۔ ۵۰۔ ۵۱ ہجری یا ۵۵ ہجری میں بمقام عقیق وفات پائی۔ ابن عمر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی آپ کے

جسم سے خوشبو آ رہی تھی۔ آپ عشرہ مبشرہ سے ہیں۔

۶) حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تلقین پر مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلافت کا اہل قرار دیا۔ احد و بدر و جملہ غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ احد کی لڑائی میں آپ نے اپنے جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سپر بنایا، جو تیر کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکتے۔ آپ اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔ اس جانثاری و عقیدت کا صلہ یہ ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ آپ نے حضور کی حفاظت کے موقع پر ہاتھ پر ۲۴ سر پر تلوار کی ایک ضرب، کل بدن پر تلوار و نیزے کے ۷۵ زخم کھائے جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا طلحہ، عثمان اور زبیر رضی اللہ عنہم وہ ہیں جن کے حق میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ایک دوسرے کے سامنے بھائی بھائی بن کر رہیں گے۔

۱۰ اجمادی الثانی ۳۶ ہجری واقعہ جمل میں ساٹھ سال کی عمر پا کر شہید ہوئے۔

۷) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

آپ نے بعمر پندرہ سال اسلام قبول کیا، حبشہ و مدینہ کی طرف دو ہجرتیں کیں۔ اسلام لانے کے جرم میں آپ کا چچا کھجور کی صف میں لپیٹ کر آپ کو دھواں کرتا تھا۔ مگر آپ کے استقلال میں ذرا فرق نہ آیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ احد میں ثابت قدم رہے۔ آپ اسلام لانے والوں میں پانچویں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق، ان کے جسم پر ایسا کوئی حصہ نہ تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کفار کی تلواروں اور تیروں سے زخمی نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا حواری ہوتا ہے۔ میرا حواری زبیر ہے۔ آپ کے ایک ہزار غلام تھے۔ وہ جو کچھ بھی کما کر لاتے، ایک درہم بھی اپنے لیے نہ رکھتے۔ سب مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد آپ کو

بھی خلافت کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا زبیر ارکان دین میں سے ایک رکن ہیں۔ جنگ بدر میں فرشتے آپ کی شکل میں نازل ہوئے۔ آپ احد میں ثابت قدم رہے۔ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں الذین استجابوا اللہ والرسول سے حضرت ابوبکر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما مراد ہیں (پ۴) (اسد الغابہ) آپ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ کی شان میں قصیدے کہے ہیں۔ ۳۷ ہجری ۱۰ جمادی الثانی بعمر ۷۷ سال شہادت پائی۔ (اصابہ)

۸) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۱ ہجری عام الفیل مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی ان پانچ بزرگوں میں سے ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اسلام لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بھی شایان خلافت قرار دیا۔ ایک سفر میں حضور ﷺ نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی۔ غزوہ احد میں متعدد زخم کھائے۔ پاؤں بھی زخمی ہوا جس کی وجہ سے لنگ آ گئی۔ آپ کے شرف کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ حضور ﷺ نے خود دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا، پشت پر چار انگشت شملہ چھوڑا، پھر فوج کا جھنڈا عطا فرمایا۔ دومۃ الجندل کو روانہ کیا، فرمایا جاؤ راہ خدا میں جہاد کرو۔ اللہ تمہیں فتح دے گا۔ چنانچہ فتح ہوئی۔ فتح مصر میں شریک ہوئے۔ بلکہ فوج کے ایک حصہ کے افسر رہے۔ حضور ﷺ نے آپ کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ آپ کے گھر میں اس قدر سونا جمع تھا کہ بوقت وصال کلہاڑیوں سے کاٹ کر ورثہ میں تقسیم کیا گیا۔ چار بیویاں تھیں، ہر ایک کے حصہ میں اسی اسی ہزار درہم آئے۔ آپ نے ایک ہزار اونٹ، ایک سو گھوڑے اور تین سو بکریاں چھوڑی تھیں۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد جو اصحاب بدر زندہ ہو، انہیں چار چار سو دینار دیے جائیں۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد یک صد صحابہ ایسے نکلے

جو بدر کی لڑائی میں شامل ہوئے تھے اور انہیں حسب وصیت چار چار سو دینار دیے گئے۔ آپ نے پچاس ہزار درہم عام غربا و مساکین میں اور ایک ہزار گھوڑے فی سبیل اللہ دینے کی وصیت بھی فرمائی تھی ۳۲ یا ۳۵ ہجری میں بعمر پچھتر سال وفات پائی۔

۹) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

آپ اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ آپ بھی عشرہ مبشرہ اور اصحاب شوریٰ کے چھ ارکان میں شامل تھے۔ بدر و احد احزاب و حنین تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ جنگ فارس میں سپہ سالار افواج اسلام تھے۔ مدائن کسریٰ کے فاتح ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو عراق کا اور حضرت عثمان نے کوفہ کا گورنر بنایا۔ آپ سب سے پہلے غازی ہیں۔ غزوہ احد میں آپ نے ایک ہزار تیر چلائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے۔ سعد تیر چلاؤ میرے ماں باپ قربان ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی کہ سعد جو بھی دعا کریں وہ قبول ہو۔ آپ نے راہ خدا میں سب سے پہلا تیر چلایا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہرہ دیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں، مجھے کوئی اپنا ایسا ماموں تو دکھادے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پانچ ہزار درہم زکوٰۃ نکالتے تھے، دو لاکھ پچاس ہزار درہم آپ نے ترکہ میں چھوڑے۔ ۵۱۔۵۲ ہجری یا ۵۸ ہجری اسی سال کی عمر میں وادی عقیق میں وفات پائی آپ عشرہ مبشرہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

۱۰) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

آپ اسلام لانے والوں میں نویں تھے۔ حبشہ و مدینہ کی طرف ہجرت کی تمام

غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں شام، عراق، فلسطین کی فتح میں لشکر اسلام کے سپہ سالار رہے۔ آپ کے والد اسلام نہیں لائے۔ بدر کی لڑائی میں آپ نے اپنے والد جراح کو قتل کر دیا تھا۔ جس پر آیہ **لاتجد قوما** نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اللہ و رسول کے دشمنوں اور مخالفوں میں دوستی نہیں رکھتے۔ اگر چہ وہ ان کے باپ بیٹے بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ صحابہ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ (سورۂ مجادلہ ۳) سورۂ مجادلہ کی آیت جس کا ترجمہ پیش کیا گیا۔

صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا

یہ آیت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے باپ کو جنگ احد میں قتل کیا۔ حضرت صدیق اکبر جنہوں نے بدر کی لڑائی میں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے مقابلہ کیا۔ حضرت مصعب ابن عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے بھائی عبداللہ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو اور حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے بدر کی لڑائی میں اپنے عزیزوں کو قتل کیا کی شان میں نازل ہوئی، جس میں بتایا گیا کہ یہ نفوس قدسیہ ہیں جو قطعی جنتی ہیں اور یہ حب رسول کے مقابل خون کے رشتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔ ان کے دلوں میں ایمان پختہ ہو چکا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر قسم کی محبتوں پر غالب کر دینے کا نام اسلام اور ایمان ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری امت کے امین حضرت ابوعبیدہ ہیں، جب فاروق اعظم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی جگہ آپ کو شام کا سپہ سالار بنایا، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وداعی خطبہ میں لشکر اسلام کو مخاطب بنا کر کہا۔ تم پر اس امت کے امین کو حاکم

بنایا گیا ہے۔ احد کے موقع پر حضور ﷺ کے سر مبارک میں زرہ کے دونوں حلقے کھب گئے۔ آپ نے دانتوں سے دبا کر زرہ کو نکالا۔ اس وجہ سے آپ کے دونوں اگلے دانت ٹوٹ گئے، مگر خدا کی قدرت اور حضور ﷺ سے عقیدت و محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے دانت اکھڑ جانے کے باوجود آپ کا چہرہ پہلے سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بڑے زاہد اور متواضع تھے۔ ۱۸ ہجری میں وفات پائی۔ بمقام عمواس یارملہ میں دفن ہوئے ۵۸ سال عمر پائی۔

یہ ہیں وہ نفوس قدسیہ جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے جو قطعی جنتی، حضور ﷺ کے سچے شیدائی اسلام کے عاشق اور مسلمانوں کے محسن ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

جانِ نثارانِ بدر و اُحد پر درود
حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

ان کے آگے وہ حمزہ کی جانبازیاں
شیرِ غرانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

جن کے اعدا پہ لعنت ہے اللہ کی
ان سب اہلِ محبت پہ لاکھوں سلام



میدانِ کارزار میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کفر جب اور جسوقت بھی اسلام کے مقابل آیا تو یہ ایک حقیقت ہے کہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مشیر، وزیر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے جانثار ثابت ہوئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

معرکہ بدر

بدر کا معرکہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ اور حق و باطل کا اوّلین و فیصلہ کن معرکہ تھا۔ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سائے میں جلوہ فرما تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ اعلان کیا گیا کہ محافظت نبوی کے لیے کون اپنی جان پیش کرتا ہے تو ۳۱۳ افراد میں سے صرف صدیق اکبر ہی تھے جو نہایت جانبازی کے ساتھ تیغ بکف ہو کر اپنے ہادی، اپنے رسول کی محافظت میں مصروف ہو گئے مشرکین ہر طرف سے نرغہ کر کے آتے تھے اور رفیق غار اپنی خداداد شجاعت سے اشقیا کو بھگا دیتے تھے۔ (فتح الباری)

غزوۂ احد

بدر کی شکست نے قریش کے دامن شجاعت پر ایک نہایت ہی بدنما دھبہ لگا دیا تھا۔ کفار نے جوش انتقام میں عظیم تیاریاں کیں اور احد اسی انتقامی جنگ کا نتیجہ تھا۔ اس جنگ میں مجاہدین اسلام قلت تعداد کے باوجود پہلے غالب آئے۔ لیکن آخر میں پانسہ پلٹا۔ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ نبی علیہ السلام سخت مجروح ہوئے۔ مگر حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ جب نبی علیہ السلام کو پہاڑ پر لے جایا گیا تو اس وقت آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اختتام جنگ پر جب کفار مکہ واپس ہوئے تو ان کے تعاقب کے لیے جو جماعت روانہ کی گئی ان میں ابوبکر بھی شامل تھے۔ اسی طرح احد کے بعد بنونضیر کی جلا وطنی غزوہ خندق اور دوسرے چھوٹے معرکے پیش آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام جنگوں میں بھی برابر کے شریک رہے۔

واقعہ حدیبیہ

اسی طرح ۶ ہجری میں غزوہ بنی مصطلق پیش آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ یہ مہم کامیابی کے ساتھ واپس ہوئی تھی۔ اسی سال یعنی ۶ ہجری میں نبی علیہ السلام نے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ قتل وخونریزی کے ارادہ سے نہیں بلکہ زیارت کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں۔ اس لیے تشریف لے چلئے اور جو کوئی اس راہ میں حائل ہوگا ہم اس سے لڑیں گے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بارگاہ نبوی میں مقبول ہوا۔ لشکر روانہ ہوا۔ مقام حدیبیہ میں ٹھہرا اور طرفین سے مصالحت کی گفتگو شروع ہوئی۔ اسی اثناء میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے سفیر ہو کر گئے تھے۔ ان کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی یہ سن کر حضور نے تمام جانثاروں سے جہاد پر بیعت لی اور یہ ہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ قریش مکہ ان تیاریوں سے خوف زدہ ہوئے مصالحت کے خیال سے عروہ بن مسعود کو سفیر بنا کر بھیجا۔ عروہ نے دوران گفتگو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا:

"قسم بخدا آپ کے ساتھ میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ وقت پڑے گا تو وہ آپ کو چھوڑ دیں گے"۔ عروہ کے یہ جملے جان نثاران رسول کے دلوں پر تیر و نشتر بن کر

لگے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے حلیم الطبع بھی برہم ہو کر فرمانے لگے: "کیا ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"؟

حدیبیہ کی صلح

یہ صلح اگرچہ ان شرائط پر ہوئی تھی جو بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا اور ابوبکر سے کہا۔ اس قدر دب کر کیوں صلح کی گئی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو محرم اسرارِ نبوت تھے۔ آپ نے فرمایا عمر! حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منظور کردہ شرائط میں انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد ۷ ہجری میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ اگرچہ خیبر پر حملہ کرنے والی مسلمان فوج کے سپہ سالار پہلے صدیق اکبر ہی تھے۔ مگر یہ کارنامہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ اس لیے فاتح خیبر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی رہے اور حضرت ابوبکر اسی سال بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے مقرر کیے گئے۔ جب وہاں سے کامیاب ہو کر واپس آئے تو بنی غزارہ کے مقابلہ کے لیے آپ کو بھیجا گیا اور بہت سے قیدی و مال آپ ہمراہ لائے۔ (مسلم شریف)

فتح مکہ

قریش کی عہد شکنی کی وجہ سے ۸ ہجری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس ہزار کی جماعت کے ہمراہ مکہ پر حملہ کیا اور فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھے۔ مکہ سے واپسی پر بنی ہوازن سے جنگ ہوئی جو عموماً جنگ حنین کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل

تھے۔ یہاں سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اسی محاصرہ میں عبداللہ بن محجن ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور آخر یہی زخم سیدنا ابوبکر کے اوائل خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا۔

۹ ہجری میں مشہور ہوا کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے کیونکہ مسلسل جنگوں کی وجہ سے عسرت و تنگ دستی ہوگئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاریوں کے لئے چندہ کی اپیل فرمائی۔ سب نے حصہ لیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت کچھ دیا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ تھا سب بحضور نبوی پیش کر دیا۔ اسی چندہ سے زبردست فوج تیار ہوئی اور قیصر روم کے مقابلہ کے لئے حدود شام کی طرف بڑھی لیکن تبوک کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر کے حملہ کی خبر غلط ہے اور سب واپس ہوئے۔ (بخاری شریف)

امارتِ حج

اسی سال ۹ ہجری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امارت کے منصب پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں ابوبکر یہ اعلان کر دیں کہ اس سال سے کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے اور سورۂ نور اسی زمانہ میں نازل ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حج کے موقع پر اسی کو سنانے کے لیے مامور کیا گیا تھا۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ امارت حج کی خدمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفویض کی گئی مگر یہ بات درست نہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا ہے کہ امارت حج کے تنہا مالک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسری خدمت سورۂ برأت کے سنانے کے لیے مقرر ہوئے تھے۔



آیۂ سبحان فی بیعت رضوان

ایک مقدس کتاب

چھ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا۔ خواب تو سبھی دیکھتے ہیں مگر نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان کیا کہ:

''جیسے میں مع اپنے اصحاب کے مکہ شریف لے گیا ہوں، اور ہم سب نے مل کر کعبۃ اللہ کا طواف کیا ہے''۔

یہ خواب صحابہ کرام نے سنا تو بہت خوش ہوئے۔ پھر اسی سال ذیقعد کے مہینے میں حضور بہ ارادہ عمرہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ چودہ سو یا پندرہ سو یا اٹھارہ سو صحابہ کرام بھی آپ کے ہم سفر تھے۔

قدوسیوں کی یہ جماعت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں مقام حدیبیہ تک پہنچی تھی کہ کفار مکہ مزاحم ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا تا کہ آپ مکہ پہنچ کر کفار کو یہ سمجھائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے۔ مقصود صرف کعبۃ اللہ کا طواف ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے نازک موقع پر فوج کا جرنیل اور قوم کا قائد ایسے ہی اشخاص کو سفارت کے لیے چنا کرتا ہے۔ جن کے ایمان واخلاص کے بارے میں پورا پورا یقین ہو۔ چنانچہ یہ شرف سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا سفیر

بنا کر مکہ روزانہ فرمایا۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے۔ ابوسفیان حاکم مکہ سے گفتگو کی، آپ نے بہت سمجھایا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ ہتھیار نہیں ہیں۔ ارادہ صرف بیت اللہ کے طواف کا ہے۔ ابوسفیان ضد پر آ گیا۔ کہنے لگا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ طواف کریں۔ لیکن تم آ گئے ہو اور تم ہمارے مہمان ہو۔ تم طواف کر سکتے ہو۔

لیکن اس موقع پر جناب ذوالنورین نے عشقِ نبی اور محبتِ رسول کا جو مظاہرہ کیا تاریخ عشق اور داستانِ محبت میں اس کی مثال شاید ہی کہیں ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوسفیان یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرا رسول نہ ہو اور میں اکیلا طواف کرلوں۔

نہ ہو جب تُو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو ابر کو گل کو چمن کو صحن بستان کو

اللہ اکبر! سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جان جیسی عزیز چیز غار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز جیسی عظیم الشان عبادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر نثار کر دی اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کا طواف جو عبادت الٰہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اس کی ادائیگی قبول نہیں کی۔ ادھر مکہ میں یہ واقعہ رونما ہوا۔ ادھر مقام حدیبیہ میں صحابہ آپس میں کہنے لگے۔ ہم تو یہاں رہ گئے۔ عثمان مکہ پہنچ گئے۔ وہ تو مزے سے طواف کر رہے ہوں گے۔ قدسیوں کی اس جماعت کے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا، تو فرمایا:

''مجھے امید نہیں کہ عثمان میرے بغیر طواف کرلیں''۔

خدا کی قسم حضور سیّد عالم ﷺ کے یہ وہ مقدس جملے ہیں۔ جن کا لطف اسی کو آ سکتا ہے۔ جس کے دل میں نبی اکرم ﷺ کے عشق و محبت کی شمع روشن ہو۔ وہی ان مقدس جملوں کی عظمت کو سمجھ سکتے۔

جس کے لیے یہ مقدس جملے زبان نبوت نے ادا فرمائے ہیں۔

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

"نبی کی زبان منشاء الٰہی کی ترجمان ہے"۔

پنجہ مہرِ عرب

اس موقع پر ایک معجزہ کا ظہور ہوا۔ حدیبیہ کے کنوئیں کا پانی ختم ہو کر خشک ہو گیا۔ پانی کی تکلیف ہوئی۔ چودہ سو صحابہ کس سے فریاد کریں؟ اسی سے جس پر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ عرض کر دی۔

سرکار! کنواں خشک ہے۔ پانی ختم ہے فرمایا میری چھاگل لاؤ۔ دستِ اقدس چھاگل میں ڈالا:

فَجَعَلَ الْمَآءُ یَفُوْرُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ۔ (مسلم)

"تو انگشت ہائے نبوت سے چشموں کی طرح پانی ابلنے لگا"۔

سب نے پیا چودہ سو صحابی سیراب ہوئے مگر پانی میں کمی نہ آئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس وقت ہم چودہ سو صحابی تھے اگر لاکھ بھی ہوتے تو سب کو کفایت کرتا۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے یہ پانی حضور ﷺ کے جسم مقدس کا جزو ہے۔ آپ کی انگلیوں سے نمودار ہوا ہے۔ اس لیے ماءِ زمزم سے بھی افضل ہے غور تو کرو جن مقدس ہستیوں نے یہ پانی پیا ان کے دلوں میں ذرا بھی کجی باقی رہ سکتی ہے؟

سبحان اللہ

انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری جن سے دریائے کرم ہیں جاری
موج پر آتی ہے جب غمخواری تشنے سیراب ہوا کرتے ہیں

ایک اہم واقعہ

اس موقع پر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ کفار مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود اصحاب رسول کا حال معلوم کرنے کے لیے آئے، انہوں نے یہاں آ کر جو حالت دیکھی تو حیران رہ گئے۔ ایک صحابی حضور کو وضو کرا رہے تھے اور باقی صحابہ کا یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ کوئی اس کو سر پر لگا تا تھا۔ کوئی اس پانی کو بطور تبرک پیتا تھا۔ عروہ بت بنے دیکھتے رہے۔ واپس لوٹے کہنے لگے۔

اے اہل مکہ ان سے لڑنے کا خیال چھوڑ دو۔

کفار مکہ نے کہا عروہ پاگل ہوئے ہو۔ یا تم پر بھی اس کا جادو چل گیا ہے کیوں ہمیں بزدل بناتے ہو۔ عروہ نے کہا اے مکہ والو! میں نے بادشاہوں کے دربار اور ان کے درباری دیکھے ہیں لیکن محمد رسول اللہ کے درباریوں کا عجب حال ہے ان کے عشق و محبت، اطاعت، خلوص اور ارادت کا یہ عالم ہے کہ جب ان کا نبی وضو کرتا ہے تو وہ اپنے نبی کے غسالہ کو زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ ایک کافر نے بڑھ کر کہا پھر اس سے کیا ہوا۔

عروہ نے جواب دیا:

''اے مکہ والو! غور کرو جو لوگ اپنے رسول کا غسالہ زمین پر نہیں گرنے دیتے، وہ اس کے خون کو کیسے گرنے دیں گے۔ (حیات القلوب)

صحابہ کے اسی خلوص کو دیکھ کر حضرت عروہ بن مسعود بعد میں اسلام لے آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے پھیلنے کا ایک بہت بڑا سبب صحابہ کرام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص و محبت بھی ہے۔ یہ اسی اخلاص کا اثر تھا کہ جن ملکوں کو صحابہ کرام نے فتح کیا۔ اس کی نوے فیصد بلکہ سو فیصدی آبادی مسلمان ہوگئی اور جن ملکوں کو غیر صحابہ نے

فتح کیا۔ ان کی اکثریت آج بھی غیر مسلم ہے کیونکہ ان میں صحابہ کے برابر تقویٰ نہ تھا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی گرفتاری

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اکیلے طواف کرنے سے انکار کر دیا، تو کفار مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ ادھر یہ افواہ پھیلی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو تمام صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت پر بیعت لی۔ یہ عظیم الشان بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی وجہ سے ہوئی اور سب سے زیادہ فضیلت بھی اس بیعت میں انہی کی ظاہر ہوئی بیعت ہو رہی تھی۔ کیکر کے درخت کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لے رہے تھے' ایک ایک صحابی آتا تھا اور بیعت کر کے واپس ہوتا تھا۔ ان بیعت کرنے والوں میں صدیق بھی تھے فاروق بھی اور علی مرتضیٰ بھی رضی اللہ عنہم۔

رسول کا ہاتھ عثمان کا ہاتھ

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا، یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔ اللہ اکبر، اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی قائم مقامی کر رہا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام عثمان اور عثمان کے قائم مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق یہ ہے کہ قائم مقام کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو یہ فرمایا ہے: ''یہ میرا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے''۔ سبحان اللہ!

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا' یہ عثمان کا ہاتھ ہے، تو پھر اسی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے۔

اس بیعت کی بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت

پھر اس بات پر غور کیجئے کہ سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کے لیے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیعت لی۔ تو وہ بارگاہ رب العزت جل مجدہٗ میں ایسی مقبول ہوئی کہ منادی حق نے اعلان کیا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔

"اے رسول جو تمہاری بیعت کر رہے ہیں وہ تو اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے"۔

غور کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ بیعت تو ہمارے ہاتھ پر ہو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ عثمان غنی کا ہاتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ عثمان غنی کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ اور قرآن "اللہ کا کلام" کو "اللہ کے ہاتھ" یعنی عثمان غنی نے شائع کیا۔ اسی لیے آپ کو جامع القرآن کہا گیا۔

دستِ حبیب خدا جو کہ یداللہ تھا
ہاتھ بنا آپ کا آپ وہ ذی شان ہیں

قارئین کرام بیعت رضوان کا جو واقعہ ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ کتب شیعہ میں بھی اس طرح مرقوم ہے۔

ملاحظہ کیجیے۔ ملا مجلسی لکھتے ہیں:

۱) حضرت رسول عثمان را بر سالت بنزد ایشاں فرستاد"۔ (حیات القلوب جلد سوم)

ترجمہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سفیر بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ فرمایا"۔

۲) "و بہ روایت شیخ طبری چوں مشرکان راحبس کردند خبر بحضرت رسید کہ اورا کشتند۔ حضرت فرمود کہ ازیں جا حرکت نمی کنم تا با ایشاں قتال کنم و مردم را بہ سوئے بیعت دعوت نماتم"۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۴۲۴)

"شیخ طبرسی کی روایت ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ چلے گئے، تو خبر آئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں اس وقت تک یہاں سے حرکت نہیں کروں گا جب تک کفار سے جنگ نہ کرلوں اور لوگوں کو بیعت کی دعوت نہ دوں''۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت سے تکیہ لگا کر صحابہ سے بیعت لی۔

اسی کا نام بیعت رضوان ہے۔ یہ بیعت دراصل اس امر کا معاہدہ تھا کہ وہ اس جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہو کر مشرکین سے لڑیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام صحابہ کو بیعت کر چکے تو!

۳) وبہ روایت کلینی حضرت یک دستِ خود را بر دستِ دیگر زد و برائے عثمان بیعت گرفت۔ (مجالس المومنین جلد دوم صفحہ ۲۲۴)

''روایت کلینی میں ہے کہ اس بیعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور عثمان کی طرف سے بیعت لی''۔

حضرات شیعہ کی معتبر و مستند مذہبی کتاب فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ صفحہ ۱۵۰ واقعہ حدیبیہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

۴) وحُبِسَ عُثْمَانُ فِي عَسْكَرِ الْمُشْرِكِيْنَ وَبَايَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمِيْنَ وَضَرَبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى لِعُثْمَانَ وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ طُوْبٰى لِعُثْمَانَ قَدْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاَحَلَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مَا كَانَ لِيَفْعَلَ۔

(فروع کافی ص ۲۵۰، حیات القلوب)

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کے لشکر میں قید کر لئے گئے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام مسلمانوں سے بیعت جہاد لی اور اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا، مسلمانوں نے جب یہ کہا کہ عثمان کو مبارک ہو، وہ طواف وسعی میں مشغول ہوں گے (تو یہ سن کر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عثمان ایسے نہیں کہ میرے بغیر طواف کریں۔

(۵) مصنف حملہ حیدری واقعہ حدیبیہ کو یوں منظوم کرتے ہیں۔

طلب کرد پس اشرف انبیاء ۔۔۔ زاصحاب عثمانِ صاحب حیاء
بو سیّد عثمان زمین و زماں ۔۔۔ بمقصد رواں شد چوں تیراز کماں
چو او رفت اصحاب روزے دگر ۔۔۔ بگفتند چندے بخیر البشر
خوشاں حال عثمان باحترام ۔۔۔ کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسولِ خدا چو شنید ایں سخن ۔۔۔ بپاسخ چنیں گفت باانجمن
بعثمان نداریم ما ایں گماں! ۔۔۔ کہ تنہا کند طوف آں آستاں

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے اور ابوسفیان نے کہا۔

''عثمان تم طواف کر سکتے ہو مگر تمہارے رسول کو طواف کی اجازت نہیں ہے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

کہ طوفِ حرم بے رسولِ خُدا
نباشد بر پیر دانش روا

آیۂ رضوان

یہ تو بیعت رضوان کا واقعہ ہے جو شیعہ و سنی دونوں کی معتبر مذہبی کتب میں موجود ہے۔ اب آیہ مبارک پر غور کیجئے۔ یہ بیعت جو چودہ سو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر کی۔ یہ دراصل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کے لیے ہوئی تھی اور اس درجہ مقبول ہوئی کہ اس بیعت میں شریک ہونے والوں سے اللہ نے قرآن مجید میں اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا:

اسی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی للّٰہیت خلوص اور کامل الایمان ہونا ثابت ہو گیا کہ جس کی حمایت کے لیے بیعت کرنے والوں کے لیے یہ مژدہ ہے۔ تو خود اس کا کتنا

بڑا درجہ ہوگا اور اللہ عزوجل کے حضور ﷺ اس کا کتنا بلند مقام ہوگا۔

تفسیر آیت

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا وَّ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ؕ (سورۂ فتح پارہ ۲۶)

''تحقیق اللہ راضی ہوگیا۔ مومنوں سے جب کہ اے نبی وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے۔ اللہ نے جو ان کے دلوں میں تھا۔ معلوم کرلیا۔ پھر اللہ نے ان پر سکینہ اتارا، اور اس کے بدلہ میں دی ان کو فتح قریب اور بہت سی نعمتیں جن کو یہ لوگ لیں گے' اور اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

دیکھئے آیہ مبارکہ کا ایک ایک لفظ شرکاء بیعت رضوان کی حقانیت، دیانت اور مخلص مسلمان ہونے پر دلیل ظاہر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

''اللہ راضی ہوگیا، ان مومنین سے جب کہ اے نبی وہ تیرے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، درخت کے نیچے''۔

۱) شرکاء بیعت رضوان کے مومن مخلص ہونے کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ خود اللہ رب العزت جل مجدہٗ ان کو مومن فرما رہا ہے۔ اب جو اس بیعت میں شریک ہونے والوں کو مومن نہ مانے اس کا مکذِّب قرآن ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۲) اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا راضی ہونا بیان فرمایا اور وہ بھی حرف تاکید کے ساتھ ظاہر ہے جن سے اللہ نے اپنی رضا مندی کا اعلان فرمادیا۔ ان کا انجام یقیناً ایمان میں ہوگا کیونکہ خدا عالم الغیب ہے۔

اگر آئندہ ان بیعت کرنے والوں سے کوئی فعل خلاف مرضی الٰہی صادر ہونے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی بیعت سے کبھی راضی نہ ہوتا۔ چہ جائیکہ رضامندی کا اعلان فرماتا ہم اگر آج کسی سے اس کے کسی پر فعل پر راضی ہوتے ہیں۔ تو کل اس کی کسی خلاف مزاج حرکت کو دیکھ کر ناراض بھی ہو جاتے ہیں، اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہمیں آئندہ کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص جو آج ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ کل ہماری مخالفت پر اُتر آئے گا تو ہم اس شخص کی کسی بات پر ہرگز خوش نہ ہوں۔ لہٰذا مخالفین کا یہ کہنا کہ خدا اس وقت تو ان کی بیعت سے راضی ہو گیا۔ مگر بعد میں انہوں نے بیعت توڑ دی یا خلاف مرضی الٰہی کام کیے اس لیے اللہ ان سے ناراض ہو گیا۔ خداوند قدوس کے عالم الغیب ہونے کا کھلا ہوا انکار ہے۔

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔

''پھر اس نے ان کے دلوں کا حال جان لیا''۔

سبحان اللہ کتنے واضح لفظوں میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم صرف ان کے ظاہری فعل کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئے ہیں بلکہ ہمیں ان کے دل کا حال معلوم ہے کہ وہ مخلص مسلمان اور سچے ایمان دار ہیں۔ اسی لیے ہم نے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان کیا ہے۔

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ۔

''پھر اس نے ان پر سکینہ نازل کیا''۔

یعنی جب اللہ نے ان کے دلوں کی حالت کو دیکھ لیا کہ یہ مخلص مومن ہیں۔ صدقِ نیت سے بیعت ہوئے ہیں۔ تو پھر ان پر اپنا سکینہ نازل کیا، ظاہر ہے کہ جن پر اللہ اپنا سکینہ نازل فرما دے۔ پھر ان کے ایمان میں جنبش نہیں ہو سکتی اور نہ ان کی استقامت میں فرق آ سکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا سکینہ مومنوں پر ہی اتارتا ہے۔ منافقوں پر نہیں۔

پس آیہ کریمہ کا یہ حصہ بھی شرکاء بیعت رضوان کی حقانیت، دیانت اور صداقت پر دلیل کرتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شرکاء بیعت رضوان اپنی زندگی کے آخری لحات تک ضرور بالضرور اس عہد پر قائم رہیں گے جو عہد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے۔ لہٰذا اللہ کے سکینہ نازل کرنے کے بعد یہ کہنا کہ شرکاء بیعت اپنے عہد پر قائم نہیں رہے۔ قرآن مجید کی تصریحات کو جھٹلانا ہے۔

وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔

''اللہ نے ان بیعت کرنے والوں پر اپنا سکینہ اتارا اور بیعت کے بارے میں ان کو فتح قریب اور بہت سی غنیمتیں دیں جن کو وہ لوگ لیں گے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اور اللہ نے تم لوگوں سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا جن کو تم لوگے تو اس نے جلدی دی تم کو یہ غنیمت اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، تا کہ یہ ایمان والوں کے لیے نشانی ہو جائے اور اللہ نے تم کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی''۔

فتح قریب و مغانم کثیرہ سے فتح مکہ اور خیبر کا مالِ غنیمت مراد ہونا چاہیے۔ کیونکہ فتح کے ساتھ قریب کا لفظ اور مغانم کثیرہ کے ساتھ عجل کا لفظ اسی کو بتا رہا ہے کہ یہ دونوں چیزیں جلد اور بہت جلد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوں گے۔ چنانچہ ذی الحجہ ۶ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آئے اور اس کے بعد محرم ۷ ہجری میں خیبر فتح ہو گیا اور مالِ غنیمت بکثرت حاصل ہوا۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان بیعت کرنے والوں کی نشانی یہ ہے کہ ان کو دنیا میں فتح قریب اور مغانم کثیرہ حاصل ہوں گے۔ چنانچہ ان دونوں چیزوں کو اَثَابَهُمْ کے تحت بیان فرما کر اس امر کو ظاہر فرما دیا کہ یہ انعام اس بیعت کا

معاوضہ ہے، جو لوگ اس بیعت میں شریک نہیں۔ اس انعام میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب خیبر کا کثیر مال غنیمت آیا، تو حضور ﷺ نے بحکم خدا اہل بیت رضوان کے لیے اس مال غنیمت کو مخصوص فرما دیا۔ کسی اور کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ غور فرمایئے کہ اگر یہ بیعت کرنے والے مخلص نہ ہوتے، تو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی کیوں شہادت دیتا۔ ان سے اپنی رضا مندی کا کیوں اظہار فرماتا، اور ان کو فتح و غلبہ کیوں عنایت فرماتا، یہ سب باتیں بھی اصحاب بیعت رضوان کے مومن مخلص ہونے کی دلیل کرتی ہیں۔

وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ؕ

''اور کچھ اور غنیمتوں کا بھی اللہ نے وعدہ کیا ہے، جن پر تم نے کبھی قابو نہیں پایا۔ اللہ نے ان کو گھیر لیا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

ابتدائی آیتوں میں فتح خیبر و مکہ اور ان کی غنیمتوں کو بیعت کرنے والوں کی نشانی بتایا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ شرکاءِ بیعت رضوان کی مقبولیت اور ان سے اللہ کے راضی ہونے اور ان کے مخلص مومن ہونے کی نشانی یہ ہے کہ ان کو فتح مکہ خیبر اور ان کی غنیمتیں حاصل ہوں گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، اب اس آیت میں ان بیعت کرنے والوں کے مقبول و محبوب عنداللہ ہونے کی تیسری نشانی یہ بتائی جا رہی ہے۔ خیبر کی غنیمت کے علاوہ ایک اور بہت بڑی غنیمت جو عرب کے احاطہ قدرت سے باہر ہے انہیں حاصل ہوگی، ایسی بڑی غنیمتِ فارس و روم کی فتوحات ہی بن سکتی ہیں۔ کیونکہ خیبر کے بعد کوئی ایسی غنیمت نہیں ملی، جس کو غنائم خیبر کے مقابلہ میں اتنی اہمیت دی جائے اور فرمایا جائے وہ غنیمت ایسی ہے جو تمہارے احاطہ قدرت سے بھی باہر ہے۔ پس اس سے لامحالہ فارس و روم کی فتوحات ہی مراد ہیں۔ جو حضور ﷺ کے

وصال کے بعد حاصل ہوئیں۔ چنانچہ یہ تیسری چیز حضرات خلفاء ثلاثہ کے زمانہ خلافت میں حاصل ہوئی۔ اور اللہ کا وعدہ انہیں تینوں کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ جو حضرات ثلاثہ اوران کی خلافت کے برحق ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

غرضیکہ یہ ہے آیت رضوان اور یہ ہیں وہ تصریحات جو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والوں کی شان میں قرآن مجید نے بیان کی ہیں۔

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور بیعتِ رضوان

بیعتِ رضوان سے متعلق معتبر مذہبی کتب سے چند حقائق یہ ہیں جن سے حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے مرتبہ ومقام اور آپ کا کامل الایمان مخلص مسلمان اور جان نثارِ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہونا واضح ثابت ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت

وبہ روایت شیخ طبری چوں مشرکان عثمان راحبس کردند خبر بحضرت رسید کہ اور اکشتند حضرت فرمود کہ ازیں جا حرکت نمی کنم تا با ایشاں قتال کنم ومردم رابہ سوئے بیعت دعوت نمائم"۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۴۲۴)

"شیخ طبرسی کی روایت ہے کہ جب مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کرلیا خبر آئی کہ ان کو شہید کردیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت تک یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ جب تک کفار سے جنگ نہ کرلوں اور لوگوں کو بیعت کی دعوت نہ دوں"۔

رسول کا ہاتھ عثمان کا ہاتھ

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت سے تکیہ لگا کر صحابہ سے بیعت لی، اسی کا نام بیعت رضوان ہے۔ یہ بیعت دراصل اس امر کا معاہدہ تھا کہ اس جنگ میں حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہو کر مشرکین سے لڑیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کو بیعت کر چکے، تو

وبہ روایت کلینی حضرت یک دستِ خود را بر دستِ دیگر زد برائے عثمان بیعت گرفت۔

"روایت کلینی میں ہے کہ اس بیعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور عثمان کی طرف سے بیعت لی"۔

عثمان میرے بغیر طواف نہیں کریں گے

شیعہ کی معتبر و مستند مذہبی کتاب فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ صفحہ ۱۵۰ واقعہ حدیبیہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

وَحُبِسَ عُثْمَانُ فِیْ عَسکرِ الْمُشْرِکِیْنَ فَبَایَعَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمِ الْمُسْلِمِیْنَ وَضَرَبَ بِاِحدٰی یَدَیْہِ عَلَی الْاُخْرٰی لِعُثْمَانَ ......

وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ طُوبٰی لِعُثْمَان قَدْ طَافَ بِالْبَیْتِ وَسَعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃِ وَ اَحَلَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا کَانَ لِیَفْعَلَ۔ (فروع کافی صفحہ ۱۵۰)

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشرکین کے لشکر میں قید کر لیے گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام مسلمانوں سے بیعت جہاد لی اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر عثمان کے لیے مارا۔ مسلمانوں نے جب یہ کہا کہ عثمان کو مبارک ہو۔ وہ طواف و سعی میں مشغول ہوں گے (تو یہ سن کر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان ایسے نہیں کہ میرے بغیر طواف کر لیں"۔

(ایضاً حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۴۲۵)

چنانچہ اسی واقعہ کو مصنف "حملہ حیدری" نے یوں منظوم کیا ہے۔

بو سیّد عثمان زمین و زمان
بمقصد رواں شد چوں تیر از کماں
چو اورفت اصحاب روزے دگر
بگفتند چندے بخیر البشر
خوشاں حال عثمان بااحترام
کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسول خدا چو شنید ایں سخن
بپاسخ چنیں گفت با انجمن
بعثمان نداریم ما ایں گماں
کہ تنہا کند طواف آں آستاں

غور کیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اس قدر اعتماد ہے کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی اجازت کے بغیر ان کو بیعت فرما رہے ہیں جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت عثمان مومن کامل اور مخلص جان نثار تھے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو سفارت کا منصب عطا فرمانا ہی ان کے مخلص ہونے کی دلیل قاہر ہے۔ ملا مجلسی لکھتے ہیں:

حضرت رسول عثمان، را بر سالت بہ نزد ایشاں فرستاد۔

''حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سفیر بنا کر حضرت عثمان کو مکہ روانہ فرمایا''۔

(حیات القلوب جلد سوم)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ فرما رہے ہیں۔ گویا یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ عثمان میرے ہیں۔ ہمارا معاہدہ بعینہ عثمان کا معاہدہ ہے۔ پھر یہ بھی غور کیجئے کہ صحابہ کہتے ہیں کہ عثمان مکہ پہنچ کر طواف کر رہے ہوں

گے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں ایسا نہیں ہوسکتا کہ عثمان میرے بغیر طواف کرلیں۔

بات یہ تھی کہ گو اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے مگر حضور ﷺ کی مرضی یہ تھی کہ اس بیعت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل ہوجائیں جس کے متعلق خدا کا اعلان یہ ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الخ)

''اللہ ان بیعت کرنے والے مومنوں سے راضی ہوگیا''۔

جن کے دلوں کا اخلاص بھی اللہ جانتا ہے، ان پر اللہ نے تسکین نازل کی۔

جب حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دے کر بیعت کرلیا تو یہ تینوں فضیلتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہوگئیں۔



سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ علم میں میرے برابر ہیں

نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۴۲۲ میں ہے کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا:

وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لَکَ مَا اَعْرِفُ شَیْئًا تَجْھَلُہٗ وَ لَا اَدُلُّکَ عَلٰی اَمْرٍ لَا تَعْرِفُہٗ مَا سَبَقْنَاکَ اِلٰی شَیْءٍ فَاُخْبِرَکَ عَنْہُ وَ لَا خَلَوْنَا بِشَیْءٍ فَنُبَلِّغَکَہٗ وَ قَدْ رَاَیْتَ کَمَا رَاَیْنَا وَسَمِعْتَ کَمَا سَمِعْنَا وَ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا صَحِبْنَا وَ مَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ وَ لَا ابْنُ الْخَطَّابِ اَوْلٰی بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْکَ وَاَنْتَ اَقْرَبُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشِیْجَۃَ رَحِمٍ مِنْھُمَا وَنِلْتَ مِنْ صِھْرِہٖ مَالَمْ یَنَالَا۔

"قسم اللہ کی میں نہیں جانتا کہ آپ سے کیا کہوں۔ مجھے کوئی بات ایسی معلوم ہی نہیں جس سے آپ بھی واقف نہ ہوں، نہ کوئی ایسی بات آپ کو بتا سکتا ہوں جس سے آپ بے خبر ہوں۔ میں آپ سے کسی بات میں سبقت نہیں رکھتا کہ آپ کو خبر دوں نہ میں نے تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی علم حاصل کیا ہے، جس کو آپ تک پہنچاؤں۔ یقیناً آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح دیکھا ہے جس طرح ہم نے دیکھا ہے اور آپ نے بھی ان سے سنا ہے، جس طرح ہم نے سنا ہے اور آپ نے بھی ان کی صحبت پائی، جیسی ہم نے پائی اور ابوبکر و عمر حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ

مستحق نہ تھے۔ آپ بہ نسبت ان کے رسول اللہ ﷺ سے نسبی قرابت میں قریب ہیں اور آپ نے رسول کی دامادی کا شرف پایا جوان دونوں کو نہیں ملا"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس خطبہ مبارکہ سے امور ذیل واضح وثابت ہوتے ہیں:

۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علم میں برابر سمجھتے تھے۔

۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نیکی میں اپنے کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سابق نہیں سمجھتے تھے۔

۳) رسول خدا ﷺ کے دیکھنے میں اور آپ کی صحبت کے حاصل کرنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا مثل قرار دیتے تھے۔ اور یہ مثلیت اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایمان کامل کے ساتھ رسول خدا ﷺ کو دیکھا اور صحبت اٹھائی۔ اسی طرح حضرت نے بھی ایمان کامل کے ساتھ دیکھا ہو۔ اور صحبت اٹھائی ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ایک منافق وکافر کا رسول خدا ﷺ کو دیکھنا ایک مومن کامل الایمان کے دیکھنے کے مثل ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔

۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول کا داماد فرماتے ہیں۔ اور یہ تاریخی واقعہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عمل بالحق کی اہلیت میں شیخین سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر اوّل ہیں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر اوّل ہیں۔ قیام مکہ ہی میں آپ کا عقد حضور اکرم ﷺ کی مقدس صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہو چکا تھا۔ اور حضور ﷺ کے حکم کے مطابق اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ سب سے پہلے آپ ہی نے سرزمین حبشہ کی جانب

ہجرت فرمائی تھی، چنانچہ اس امر کا اقرار ملا محمد باقر مجلسی الاصفہانی مجتہد نے اپنی کتاب حیات القلوب جلد دوم ذکر بیان ہجرت حبشہ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ میں کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رشتہ داری

سیّدنا عثمان ذوالنورین، سیّدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے۔ یعنی پھوپھی کے پوتے، سلسلہ پدری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عبدالمناف تک مل جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اس جگہ ختم نہیں ہوا، بلکہ آئندہ اولاد میں جاری رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب جن کا مزار حضرت بلال مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ہے کی دختر ام کلثوم کا نکاح حضرت ابان بن عثمان ذوالنورین بن عفان سے ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوتی فاطمہ بنت حسین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمر بن عثمان ذوالنورین کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری پوتی فاطمہ بنت حسین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمر بن عثمان ذوالنورین کے عقدِ نکاح میں تھیں۔

چنانچہ ان تمام رشتہ داریوں کی مکمل تفصیل ابو محمد عبداللہ بن مسلم قتیبہ الکاتب الدینوری المتوفی ۲۶۷ ہجری نے اپنی کتاب ترجمہ المعارف جلد اوّل مطبوعہ آسی پریس لکھنؤ میں تحریر کی ہے۔



خصوصیات امام ذوالنورین رضی اللہ عنہ

پہلی خصوصیت دامادِ رسول ہونا

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہنیں تھیں۔ آپ کے عقد میں آئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ بالکل اکیلے ہیں اور کسی صحابی رسول کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔

مُلّا باقر مجلسی ''حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۵۹'' پر لکھتے ہیں:

فاطمہ را بحضرت امیر المومنین تزویج نمود کرد بہ ابو العاص بن ربیع از بنی امیہ بود زینب را۔ و بعثمان بن عفان ام کلثوم را و پیش ازاں کہ بخانہ آل رود برحمت الٰہی واصل شدہ و بعد از د حضرت رقیہ را باتزویج نمود''۔

''حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا اور زینب کا نکاح ابو العاص سے کیا جو بنی امیہ سے تھے اور عثمان بن عفان کے ساتھ ام کلثوم کا نکاح کیا وہ ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر نہ گئیں تھیں کہ بقضائے الٰہی فوت ہوگئیں تو ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا''۔

قارئین کرام مخالفین صحابہ کی ان معتبر کتابوں سے امور ذیل میں معلوم ہوئے۔

۱) حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔

۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دامادِ رسول ہیں ان کے عقد میں دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم آئیں۔

۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر اوّل بھی ہیں اور آپ نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

وہ اپنی کتاب ''مجالسِ المومنین کے صفحہ ۸۹ پر لکھتے ہیں:

شہید ثالث کا اعتراف

اگر او (نبی) بوقت عجز بغار فرار نمود۔ ایں (علی) بوقت منع و عجز در خانہ خود قرار کرد اگر نبی دختر بعثمان داد ولی دختر بعمر فرستاد۔

''اگر نبی نے عاجزی کے وقت بھاگ کر غار میں پناہ لی۔ تو علی نے عاجزی کے وقت گھر میں گھس کر پناہ لی اگر نبی نے اپنی دختر عثمان کو دی، تو علی نے اپنی دختر عمر کے ساتھ بیاہ دی''۔ (مجالس المومنین مطبوعہ ایران صفحہ ۸۹)

شیرِ خدا کا ارشاد

خود علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے بھی مدحیہ انداز میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس شرف کا اعتراف فرمایا ہے:

وَنِلتَ مِنْ صِھْرِہٖ مَالَمْ یَنَالَا۔

''عثمان تم نے رسول کی دامادی کا وہ شرف حاصل کیا ہے جو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی حاصل نہ ہوا''۔ (نہج البلاغت جلد اوّل صفحہ ۴۴ مصری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شان ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

"اے عثمان، میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا، جس سے آپ ناواقف ہوں، نہ میں کسی ایسے امر کی طرف آپ کی رہنمائی کر سکتا ہوں۔ جسے آپ نہ جانتے ہوں۔ جو آپ جانتے ہیں وہی ہم جانتے ہیں۔ کسی بات میں آپ پر سبقت نہیں رکھتے کہ جس سے آپ کو باخبر کریں۔ اور نہ کسی بات میں ہم آپ سے جدا ہوئے کہ آپ کو بتا دیں۔ جس طرح ہم نے دیکھا اس طرح آپ نے دیکھا۔ جس طرح ہم نے سنا، اسی طرح آپ نے سنا۔ جس طرح ہم رسول اللہ ﷺ کے شرفِ صحبت سے شرف ہوئے اسی طرح آپ بھی ہوئے۔ ابوبکر و عمر بھی عمل حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ سزاوار نہیں تھے کیونکہ بہ اعتبار قربت آپ رسول اللہ سے ان دونوں کے مقابلے میں نزدیک تر ہیں"۔ (نہج البلاغہ صفحہ ۱۰۹۸)

بلاشبہ آپ نے رسول اکرم ﷺ کی دامادی کا شرف دو مرتبہ حاصل کیا

الغرض یہ بات سب کی معتبر مذہبی کتاب سے ثابت ہے کہ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے عقد میں حضور اکرم ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذی حیا کے عقد میں دو، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے۔ جس میں وہ منفرد ہیں اور اسی سے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کامل الایمان ہونے اور ان کے مخلص جاں نثار نبی ہونے کی بہت بڑی دلیل ملتی ہے اگر سیّدنا علی کے لیے دامادِ رسول ہونا شرف کی بات ہے تو سیّدنا غنی کے لیے کیوں نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس واضح شرف اور فضیلت کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ تو پھر جھنجھلا کر یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی طرف ایک حقیقی صاحبزادی جناب فاطمہ تھیں۔ لیکن بات پھر بھی نہیں بنتی دلائل و حقائق ان کا ساتھ نہیں دیتے۔

چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقَیَّۃَ

تحفہ العوام ایک نہایت ہی معتبر، مستند اور مقبول عام کتاب ہے۔ اس میں جہاں لعنتوں کے لیے دعا کا ذکر ہے وہاں یہ جملے بھی موجود ہیں:

''کہ اے اللہ اس پر لعنت نازل فرما جو نبی کو ان کی صاحبزادی رقیہ کے معاملے میں یا ام کلثوم کے معاملے میں ایذا پہنچائے''۔

درود اور لعنت کے پورے جملے یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقَیَّۃَ بِنْتِ نَبِیِّكَ وَالْعَنَ مَنْ اٰذٰی نَبِیَّكَ فِیْھَا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اُمِّ کُلْثُوْمِ بِنْتِ نَبِیِّكَ وَالْعَنَ مَنْ اٰذٰی نَبِیَّكَ فِیْھَا۔

(تحفۃ العوام مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۰۱)

''اے اللہ تو اپنے نبی کی صاحبزادی رقیہ پر درود بھیج اور جو شخص تیرے نبی کی اس صاحبزادی کی وجہ سے تکلیف دیتا ہے، اس پر لعنت نازل فرما اے اللہ تو اپنے نبی کی صاحبزادی ام کلثوم پر بھی درود اور رحمت نازل فرما۔ جو شخص تیرے نبی کی صاحبزادی کی وجہ سے تکلیف دیتا ہے اس پر لعنت نازل فرما''۔

اس درود سے اظہر من الشمس ہے کہ حضرت رقیہ وام کلثوم وحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ہیں۔ اسی وجہ سے ان پر درود بھیجا جاتا ہے ان جملوں پر غور کیجیے۔

''جو تیرے نبی کو رقیہ یا ام کلثوم رضی اللہ عنہم کی وجہ سے ایذا پہنچاتا ہے' اے اللہ اس پر لعنت نازل فرما''۔

ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑی تکلیف اور کیا پہنچائی جا سکتی ہے کہ آپ کی اولاد ہی کا انکار کر دیا جائے۔

حضور کی چار صاحبزادیاں تھیں

بہرحال قرآن کریم اور صحیح روایات اور مخالفین کی معتبر مذہبی کتب کی روایات سے یہ واضح ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔

سورۂ احزاب میں ہے:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔ (ترجمہ مقبول احمد ص ۸۱۹)

"اے نبی! اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے اور اہل ایمان کی عورتوں سے یہ کہہ دو کہ وہ اپنی چادروں سے گھونگھٹ نکال لیا کریں"۔

اس ترجمہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی صاحبزادیاں ایک سے زائد تھیں، جیسا کہ لفظ بیٹیوں سے ظاہر ہے جو کہ بنات کا ترجمہ ہے اور بنات بنت کی جمع ہے۔ جمع کے لیے کم از کم تین افراد ضرور ہوا کرتے ہیں۔

۲) دوسری دلیل:

تَزَوَّجَ خَدِيْجَةَ وَهُوَ ابْنُ بِضْعٍ وَعِشْرِيْنَ سَنَةً فَوَلَدَ لَهٗ مِنْهَا قَبْلَ مَبْعَثِهِ الْقَاسِمُ وَرُقَيَّةُ وَزَيْنَبُ وَاُمُّ كُلْثُوْمٍ وَوَلَدَلَهٗ بَعْدَ مَبْعَثِهِ الطَّيِّبُ وَالطَّاهِرُ والْفَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَرُوِىَ اَيْضًا اَنَّهٗ لَمْ يُوْلَدْلَهٗ بَعْدِ الْمَبْعَثِ اِلَّا فَاطِمَةُ وَاَنَّ الطَّيِّبَ وَالطَّاهِرَ وَلَد اَقْبَل مَبْعَثِهٖ۔

(اصول کافی ابواب التاریخ ص ۲۷۸ سطر ۳)

جناب رسول اللہ ﷺ نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جب کہ آپ کی عمر بیس سال سے کچھ زائد تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قبل از بعثت قاسم اور رقیہ اور زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور بعثت کے بعد طیب اور طاہر اور فاطمہ کا تولد ہوا، اور یہ بھی روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ کو بعد از بعثت صرف حضرت فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئیں

اور طیب و طاہر بعثت سے پہلے پیدا ہو چکے تھے"۔

۱) اصول کافی وہ کتاب ہے جس کا ملاحظہ امام مہدی علیہ السلام فرما چکے ہیں اور آپ نے مہر تصدیق بھی ثبت کر دی ہے۔ جیسا کہ اصول کافی اوّل پر مرقوم ہے:

قَالَ اِمَامُ الْعَصْرِ وَحُجَّةُ اللّٰهِ الْمُنْتَظَرُ هٰذَا كَافٍ لِّشِيْعَتِنَا۔

امام موصوف نے فرمایا ہے یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔

غالبًا اس کتاب کا نام کافی رکھنا اس بنا پر ہے کہ امام مہدی علیہ السلام نے اس کو کافی فرمایا سوچنے کا مقام ہے کہ اگر رقیہ و زینب وام کلثوم بنات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتیں تو امام مہدی ادعوھم لاباء ھم ھو اقسط عند اللّٰہ کے حکم مدنظر رکھتے ہوئے ان تینوں کے اسماء کو اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج فرما دیتے۔ امام مہدی کا رقیہ اور زینب اور ام کلثوم کو اولاد رسول میں دیکھ کر سکوت فرمانا اور ھذا کافٍ لشیعتنا کہنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت زینب ام کلثوم و فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادیاں تھیں۔

۲) محمد بن یعقوب کلینی نے اس اختلاف کو روایتی طور پر نقل فرما دیا کہ کون سی اولاد حضرت کو قبل از بعثت پیدا ہوئی اور کون سی اولاد بعد از بعثت یعنی اس میں روایات کا اختلاف ہے لیکن علامہ مذکور کو اپنی روایات میں کہیں یہ اختلاف نہیں ملا کہ رقیہ و زینب وام کلثوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں نہ تھیں۔ ورنہ اس اختلاف کو اختلاف اوّل کی طرح ضرور ذکر کر دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رقیہ و زینب وام کلثوم کا بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا مسئلہ متفق علیہ ہے۔

۳) صاحب کافی نے اس امر کا التزام کیا ہے اور اوّل کتاب میں بھی فرمایا ہے کہ میں اپنی کتاب میں وہ روایات ذکر کروں گا۔ جو موثق اور معتبر ہوں گی۔ چنانچہ صاحب تفسیر صافی نے بھی محمد بن یعقوب کلینی صاحب اصول کافی کے اس التزام کو نقل کیا۔

ذَکَرَ فِیْ اَوَّلِ الْکِتَابِ اَنَّہٗ یُثِقُ بِمَا رَوَاہُ فِیْہِ۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۴ سطر ۱۵)
کلینی نے اپنی کتاب کے اوّل میں ذکر کیا کہ جو کچھ اصول کافی میں مروی ہوگا موثق اور معتبر ہوگا۔

شارح کافی ملا خلیل قزوینی نے حدیث مذکور کی شرح میں تحریر فرمایا ہے:

پس زادہ شد برائے او از خدیجہ پیش از رسالت او قاسم و رقیہ و زینب و ام کلثوم و زادہ شد برائے او بعد از رسالت طیب و طاہر و فاطمہ۔

حضور کی اولاد حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا سے قبل از بعثت قاسم اور رقیہ اور زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور بعثت کے بعد طیب و طاہر و فاطمہ پیدا ہوئے۔

(صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ جز سوم، حصہ دوم باب مولد النبی و وفاتہ صفحہ ۱۴۷)

۴) شارح کافی ملا محمد باقر اصفہانی حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"تمام کے تمام علماء اس امر پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں"۔

(مراۃ العقول ...... جلد دوم صفحہ ۲۵۲)

۵) "در حدیث معتبر از حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منقول است مفصل روایت نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خدیجہ او را رحمت کند از من طاہر و مطہر بہم رسانید کہ او عبداللہ بود و قاسم را آوردہ و رقیہ و فاطمہ و زینب و ام کلثوم از بہم رسید"۔

معتبر حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر رحمت فرمائے۔ اس کو مجھ سے اولاد پیدا ہوئی۔ طاہر و مطہر عبداللہ اور قاسم اور رقیہ اور فاطمہ، اور زینب اور ام کلثوم"۔

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۸۲ باب پنجم)

۶) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَی الْقَاسِمِ وَالطَّاھِرِ اِبنی نَبِیِّكَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقَیَّةَ بِنْتِ نَبِیِّكَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اُمِّ کُلثُومٍ بِنْتِ نَبِیِّكَ۔

(تہذیب ج اوّل ص ۱۵۴)

''اے اللہ رحمت فرما قاسم اور طاہر اپنے نبی کے دو بیٹوں پر' اے اللہ رحمت فرما اپنے نبی کی بیٹی رقیہ پر، اے اللہ رحمت فرما اپنے نبی کی بیٹی ام کلثوم پر''۔

۷) باب در بیان اولا د امجاد آنحضرت است۔ در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب۔ (حیات القلوب جلد دوم باب پنجاہ یکم صفحہ ۵۵۹)

قرب الاسناد میں معتبر اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے ہوئی طاہر اور فاطمہ اور ام کلثوم اور رقیہ اور زینب تھیں''۔

۸) ابن بابویہ بسند معتبر از آنحضرت (جعفر صادق) روایت کردہ است کہ از برائے حضرت رسول متولد شدند از خدیجہ قاسم و طاہر نام طاہر عبداللہ بود و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۵۹)

ابن بابویہ معتبر طریق سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قاسم اور طاہر جس کا نام عبداللہ تھا۔ اور ام کلثوم اور رقیہ اور زینب اور فاطمہ پیدا ہوئیں''۔

یہ دونوں روایتیں ایک صفحہ پر موجود ہیں۔

۹) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَی الْقَاسِمْ وَالطَّاھِرْ ابنی نَبِیِّكَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقَیَّةَ بِنتِ نَبِیِّكَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اُم کلثومٍ بِنْتِ نَبِیِّكَ۔

اے اللہ رحمت فرما اپنے نبی کے دو بیٹوں قاسم اور طاہر پر۔ اے اللہ رحمت فرما

اپنے نبی کی دختر رقیہ پر اے اللہ رحمت فرما اپنے نبی کی دختر ام کلثوم پر۔
(حضرات شیعہ کی مشہور کتاب تحفۃ العوام)

(۱۰ مشہور آنست کہ دختران آنحضرت چہار نفر بودند وہمہ از حضرت خدیجہ بوجود آمدند۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۶۰)

''مشہور وہی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں چار تھیں اور سب کی سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئیں''۔

الغرض قرآن اور معتبر ومستند صحیح احادیث وروایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی چار حقیقی صاحبزادیاں تھیں۔

آیتِ تطہیر

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ (احزاب ۳۳)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے۔

علماء کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ اس آیت میں اھل البیت سے حضور سرورِ عالم ﷺ کی ازواج مطہرات مراد ہیں۔ کیونکہ اس آیت کے اوّل اور بعد ازواج مطہرات ہی کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے آیات یٰآیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ سے لے کر وقلن قولا معروفا تک اور اس کے بعد کی آیت وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ ازواج مطہرات سے ہی متعلق ہیں۔

سیّد المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آیت تطہیر سے مراد حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں۔

(حضرت عبداللہ بن عباس حبر امت اور مفسر قرآن ہیں حضور کے چچازاد بھائی

ہیں۔ حضور ﷺ نے آپ کو سینہ سے لگا کر دعا دی ہے۔ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ، اَللّٰهُمَّ علمه الحِكْمَةَ، اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، الٰہی ان کو قرآن سکھا۔ الٰہی انہیں حکمت اور دین کی سمجھ عطا فرما)

ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یطھر کم جمع مذکر کی ضمیر ہے جو مردوں کے لیے استعمال ہوتی ہے اس لیے ازواج مطہرات کا مراد لینا درست نہیں ہے لیکن جواب یہ ہے کہ اگر قرآن مجید ہی سے یہ ثابت ہو جائے کہ جمع مذکر کی ضمیر عورتوں کے لیے آنی درست ہے تو پھر گنجائش انکار کہاں۔

سورۃ قصص پارہ ۲۰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوا حضرت موسیٰ نے اپنی بیوی سے فرمایا تم یہیں ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ اس آیت میں امکثو صیغہ جمع مذکر ہے جو کہ حضرت موسیٰ کی بیوی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورۃ یوسف میں اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِيْنَ میں خاطئین جمع مذکر ہے جو زلیخا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ ہود میں فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا رحمۃ اللہ و برکاتہ علیکم۔ علیکم میں ضمیر جمع متکلم ہے جس سے واضح ہوا قرآن مجید میں جمع مذکر کی ضمیر عورتوں کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے تو اسی طرح تطہیر میں جمع مذکر کی ضمیر حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے آئی ہے۔ فافہم

قرآن مجید میں بھی اہل البیت سے بیوی کا مراد ہونا واضح ہے۔ جب عزیز مصر کی بیوی نے جناب یوسف علیہ السلام کو برائی کی طرف بلایا۔ تو آپ دروازے کی طرف بھاگے اس نے آپ کا پیچھا کیا اور آپ کا کرتہ پیچھے سے پکڑ کر کھینچا کہ عزیز مصر دروازے کے پاس مل گیا زلیخا نے اپنی برأت ظاہر کرنے کے لیے حیلہ تراشا اور عزیز مصر سے کہا:

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءً (سورۃ یوسف پ ۱۲)

کیا سزا ہے اس کی جس نے تیری گھر والی سے بدی چاہی۔

اس آیت میں اھل سے مراد بہر حال بیوی ہی ہے۔

جب فرشتے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو بیٹے کی بشرت سنانے کیلیے آئے، تو ان کی بیوی نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ میری عمر نوے سے متجاوز ہو چکی ہے اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں ان کی عمر ایک سو بیس سال ہوگئی ہے۔

قَالُوا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (ہود۷۲)

فرشتے بولے کیا اللہ کے کام کا اچنبا کرتی ہو بیشک اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں تم پر اس گھر والوں پر۔

اس آیت سے بھی واضح ہوا کہ بیبیاں اہل بیت میں داخل ہیں۔ لہٰذا اہل بیت سے ازواج کو خارج قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

اسی نوع کے دیگر دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ آیت تطہیر کے لفظ اہل بیت سے اولا بالذات تو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن نفوس قدسیہ کا لفظ اہل بیت میں شامل نہ ہونے کا شبہ ہوسکتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے انہیں اہل بیت میں شامل فرما کر اس شبہ کا قلع قمع فرمادیا۔

چنانچہ مسلم شریف میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت ندع ابناء نا و ابنائکم نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی، سیّدہ فاطمہ وحسن وحسین کو بلایا اور فرمایا:

فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اهل بَيْتِی۔

"الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں"۔ (مشکوٰۃ)

بہر حال حق یہ ہے اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور جناب علی

مرتضیٰ شیرِ خدا اور سیّدہ عفیفہ طیبہ طاہرہ فاطمہ اور شہزادہ کونین امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی۔ اور قرآن و حدیث سے بھی یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہ ہی امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔

آیت تطہیر سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اہل بیت نبوت کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ وہ گناہوں سے بچیں اور تقویٰ و پرہیزگاری کے پابند رہیں۔



ازواج مطہرات......امہات المومنین

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین کو خطاب کر کے فرمایا:

یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ۔ (احزاب:۳۰)

اے نبی کی بیبیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو (یعنی ان کا مرتبہ سب عورتوں سے بڑا ہے)۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ۔ (احزاب ۴۰ الخ)

اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والوں تم سے ناپاکی دور فرمادے۔

قرآن نے ازواج مطہرات کے گھروں کو اللہ کی آیتوں اور حکمت کا سرچشمہ قرار دیا:

وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔ (احزاب)

اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔

نیز تعظیم و حرمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو تمام مومنوں کی مائیں قرار دیا۔

وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ۔

اور نبی کی بیبیاں ان کی (تمام مسلمانوں کی) مائیں ہیں۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات کی تعظیم و توقیران سے عقیدت و محبت لازم و واجب ہے۔ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ و ام المومنین عائشہ صدیقہ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم قطعی جنتی ہیں اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بقیہ صاحبزادیوں اور

ازواج مطہرات تمام صحابیات پر فضیلت ہے۔ ان کی طہارت و پاک دامنی کی گواہی قرآن نے دی ہے۔ جناب عائشہ صدیقہ پر معاذ اللہ تہمت زنا سے اپنی ناپاک زبان آلودہ کرنے والا قطعاً کافر و مرتد ہے اور آپ کی شان میں اس کے علاوہ بدگوئی کرنے والا گمراہ و جہنمی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ و مقام

جب منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی، تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی سترہ آیات میں جناب عائشہ صدیقہ کی عفت و عصمت پاکدامنی اور منافقین کے الزام کی تردید فرمائی:

۱) اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ۔

بے شک منافق بڑا ابہتان لائے

۲) وَقَالُوْا هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔

اے مسلمانوں جب منافقین نے تہمت لگائی تو تم نے نیک گمان کیوں نہ کیا۔

۳) فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔

تو وہی (یعنی تہمت لگانے والے) اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

۴) يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوا۔ (نور)

اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بدگمانی نہ کرنا)

قرآن کی ان آیت کے مطابق جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بدگمانی اور برائی کی تہمت کا قائل دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتا ہے۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ سے فرمایا کیا تم اس کو محبوب نہیں رکھو گی جس کو میں محبوب رکھتا ہوں۔ جناب فاطمہ نے جواب دیا، کیوں نہیں! فرمایا تو عائشہ

سے محبت کرو۔ (مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا عائشہ کے معاملہ میں مجھے ایذا نہ دو۔ میں عائشہ کے ساتھ ایک بستر میں ہوتا ہوں تو بھی وحی آ جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ یہ جبریل ہیں تمہیں سلام عرض کرتے ہیں۔ (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ جب تم مجھ سے خوش یا کبیدہ خاطر ہوتی ہو تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے، جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو یوں کہتی ہو، لَا وَرَبِّ محمد اور اگر تمہارا مزاج خراب ہوتا ہے تو لَا وَرَبِّ ابرہیم کہتی ہو۔ جناب عائشہ نے جواب دیا ناسازی طبع کی صورت میں بھی صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں (آپ کی ذاتؐ سے وابستگی نہیں چھوٹ سکتی)۔ (بخاری)

جبرئیل امین نے ریشمی سبز رومال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر بارگاہ نبوت میں پیش کیا اور عرض کیا ھٰذَا زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یہ دنیا و آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔ (بخاری)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ازواج کی تعداد گیارہ تک ہی ہے۔ یہ سب یکدم نکاح میں نہیں آئیں بلکہ یکے بعد دیگرے ان سے نکاح ہوا۔ ترتیب یوں ہے:

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں ایک بلند درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ یہی حضور علیہ السلام کی اوّل محرم راز ہیں اور ابتدائے وحی کے موقع پر آپ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس لے گئی تھیں۔ آپ کا نام خدیجہ اور لقب طاہرہ ہے۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی مقدس بی بی ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائد ہے۔ والد کا نام عامر بن لوی ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زوارہ

تمیمی سے ہوئی۔ اور دو لڑکے ہند اور حارث پیدا ہوئے۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد آپ عتیق بن عائد مخزومی کے عقد میں آئیں ان سے ایک لڑکی بنام ہند پیدا ہوئی۔ اسی لیے آپ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سیّد المرسلین کے عقد میں آئیں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۵ برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۴۰ سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں۔ ان کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں فرمائی۔ حضور علیہ السلام سے چھ اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے جو کہ بچپن میں انتقال کر گئے۔ اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ، زینب، رقیہ، اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن

حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام کو بے انتہا محبت تھی۔ ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا۔ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ملنے والی عورتوں کو گوشت ضرور بھجواتے۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر بہت رشک آتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ کو کچھ کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے مجھے خدیجۃ الکبریٰ کی محبت دی ہے۔

(مسلم شریف فضل خدیجہ)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں۔ جو مر چکی ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہرگز نہیں لیکن جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو خدیجہ نے میری تصدیق کی جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی معین نہ تھا۔ انہوں نے میری مدد کی۔

حضرت سُودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت سودہ حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے حضور کے عقد میں آئیں

رمضان ۱۳ ہجری نبوی بروایت زرقانی ۸ نبوی آپ کا نکاح ہوا۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ آپ سے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ حضور ﷺ کی نہایت فرمانبردار بی بی تھیں اور اس وصف میں تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ حضرت عائشہ کے سوا فیاضی اور سخاوت میں بھی اپنی مثل نہ رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر نے ایک تھیلی بھیجی۔ فرمایا کیا ہے کہا گیا درہم آپ نے فرمایا کھجوروں کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ یہ فرمایا اور تمام درہم تقسیم کر دیے۔ آپ سے پانچ حدیثیں مروی ہیں ایک بخاری میں بھی ہے اور صحاح میں حضرت عبداللہ بن عباس اور یحییٰ بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

آپ کے سن وفات میں اختلاف ہے واقدی کے نزدیک زمانہ خلافت امیر معاویہ ۵۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی، علامہ حافظ ابن حجر سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں۔

ذہبی کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ میں وفات پائی۔ اس لیے ان کا زمانہ خلافت ۲۲ ہجری ہوگا اور یہی آپ کا سن وفات ہوگا حضرت سودہ کی پہلی شادی سکران بن عمر سے ہوئی تھی جو انتقال کر گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضور کی ازواج مطہرات پر لفظ ام المومنین کا اطلاق قرآن مجید کے ارشاد وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ سے ماخوذ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور سید عالم ﷺ کی نہایت مقدس بی بی ہیں۔ آپ کا نام عائشہ اور کنیت ام عبداللہ ہے۔ آپ کی کنیت ام عبداللہ حضور ﷺ نے ہی رکھی تھی جب کہ آپ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بغرض تحنیک حضور نبی ﷺ پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ عبداللہ ہے اور تم ام عبداللہ۔

(فتح الباری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے اور والدہ کا نام ام رومان زینب بنت عامر ہے جن کا انتقال ۶ھ میں ہوا۔

حضرت عائشہ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں ۱۰ھ بعثت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں۔ آپ کی عمر شریف اس وقت چھ سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم کی وساطت سے نکاح ہوا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین سال مکہ میں مقیم رہے۔ ۱۳ھ میں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو حضرت ابوبکر ساتھ تھے۔ اہل وعیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے جب مدینہ میں اطمینان ہوا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عیال کو مدینہ بلا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت فاطمہ، ام کلثوم اور حضرت سودہ وغیرہ کے لانے کے لیے حضرت عبداللہ بن اریقط کو بھیج دیا۔ ماہ شوال ۱ہجری میں ۹ سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔

وفات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ۹ سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی بسر کی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، تو آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۴۸ سال زندہ رہیں اور ۱۷ رمضان ۵۷ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۷ سال تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت مروان بن حکم کی طرف سے حاکم مدینہ تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

فضائل

ازواج مطہرات میں حضرت ام المومنین سیدہ عفیفہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے

فضائل ومناقب آپ کا ورع تقویٰ، فقہی اوراجتہادی بصیرت اتنی اعلیٰ ہے کہ جس کے بیان کے لیے دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ کہ آپ ام المومنین ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ سے بہت محبت تھی۔ اسی محبت کی وجہ سے آپ نے اپنے مرض وفات میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے کر اپنی مقدس زندگی کے آخری ایام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ نوری میں بسر فرمائے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود ہی تحدیث نعمت کے طور پر فرماتی ہیں کہ مجھے اللہ نے خوبیاں ایسی عطا فرمائی جو کہ کسی عورت کو نہ ملیں۔

- عقد سے پیشتر میری تصویر حضرت جبرئیل امین نے بحضور نبوی پیش کی (یہ تصویر قدرتی تھی کسی انسان کی بنائی ہوئی نہ تھی)۔
- حضور نے بجز میرے کسی اور کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔
- میں آپ کے خلیفہ اور آپ کے صدیق کی صاحبزادی ہیں۔
- مجھ کو پاکیزہ گھرانے میں پیدا فرمایا گیا۔
- بوقت وصال حضور علیہ السلام کا سر اقدس میری گود میں تھا۔
- حضور میرے گھر میں دفن ہوئے۔
- حضور میرے لحاف میں ہوتے تو بھی وحی نازل ہو جاتی تھی۔
- مجھ سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ۔

☆ میری برأت آسمان سے نازل ہوئی۔

سیدنا یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیرخوار بچے کی زبان سے آپ کی برأت فرمائی۔ حضرت مریم کو مطعون کیا گیا تو ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بحالت شیرخوارگی آپ کی برأت کا اظہار فرمایا گیا۔ لیکن

جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو متہم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت کسی بچے یا نبی کی زبان سے نہیں کرائی بلکہ اپنے محبوب کی زوجہ محترمہ کی برأت خود فرمائی اور سورۂ نور نازل فرما کر جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی پر مہر تصدیق ثبت کردی گئی (طبری) ایسی کہ جو جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا انکار کرے وہ قرآن کا منکر ہے۔

علمی زندگی

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ علم وفضل کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہ آپ کے علم وفضل کے معترف تھے اور مسائل میں آپ سے استفسار کرتے تھے۔ آپ سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۷۴ حدیثوں پر بخاری ومسلم نے اتفاق کیا۔ بخاری نے منفرد ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثیں امام مسلم نے منفرد طور پر روایت کی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

ترمذی کی حدیث ہے کہ جب کوئی مشکل کام پیش آتا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی حل کرتی تھیں۔ تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت ادب اور انساب میں آپ کو بہت کمال حاصل تھا۔

مختصر یہ کہ ایک مسلمان کے لیے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں۔ ام المومنین ہیں۔ صدیق اکبر کی صاحبزادی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر کے داماد ہیں۔ یعنی صدیق وہ ہیں جن کے داماد مکرم رسول۔ نہ صرف رسول بلکہ رسولوں کے رسول اور اللہ کے محبوب اور خاتم النبیین ہیں سبحان اللہ

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں ماں کا نام بنت مظعون ہے۔ بعثت سے پانچ برس قبل پیدا ہوئیں۔ جب کہ قریش کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی اور نکاح ہو گیا۔ آپ کی وفات شعبان ۴۵ ہجری میں زمانہ خلافت امیر معاویہ میں ہوئی۔ آپ پہلے خنیس بن حذافہ کے عقد نکاح میں تھیں۔ جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے امام بخاری نے ۵ پانچ روایت کیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام مبارک ہند، کنیت ام سلمہ، والد کا نام سہل اور والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ پہلے عبداللہ بن عبدالاسد بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں۔ انہیں کے ہمراہ اسلام لائیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی ان کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ یہ پہلی عورت ہے جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ ان کے شوہر عبداللہ بن عبدالاسد بڑے شہسوار تھے۔ غزوۂ بدر واحد میں شریک ہوئے اور احد میں چند زخموں کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ ان کی نمازِ جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی اور نو تکبیریں کہیں۔ صحابہ نے عرض کی سرکار کیا سہو ہوا ہے۔ فرمایا یہ ایک ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔

ازواج میں سب کے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی ۵۹ ہجری امام ابراہیم حربی ۶۲، امام بخاری کی تاریخ میں ۵۸ ھ اور بعض روایتوں میں ۶۱ ہجری آیا ہے۔ جب کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی اس وقت

ان کا انتقال ہوا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے تیرہ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اور تین کو امام بخاری اور تین کو امام مسلم نے منفرداً ذکر کیا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام مبارک رملہ۔ ام حبیبہ کنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں اور عبداللہ بن جحش سے نکاح ہوا۔ اپنے شوہر اوّل کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ عبداللہ بن جحش حبشہ جا کر عیسائی ہو گئے اور آپ اسلام پر قائم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بنا پر دونوں میں علیحدگی ہو گئی اور انہیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ۴۴ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔ آپ سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں ممتاز حیثیت کی مالک ہیں۔ نسبی حیثیت سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ نہایت قانع، فیاض طبع اور سخی تھیں۔ عبادت میں خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔ انہیں کی شان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم میں سے مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ یہ استعارہ ان کی فیاضی اور سخاوت کی طرف تھا، چنانچہ پیش گوئی کے مطابق ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان کا وصال ہوا۔ سن وصال ۲۰ھ ہے۔ ۵۳ سال کی عمر پائی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ بوقت نکاح ان کی عمر شریف ۳۵ سال تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا وہی ہیں جن کا نکاح پہلے حضور نے اپنے متبنیٰ حضرت زید سے کرنا چاہا تھا۔ مگر یہ اور ان کے بھائی راضی نہ ہوئے تو آیہ مبارکہ ماکان لمومن ولا مومنة الخ نازل ہوئی پھر یہ بھی راضی ہو گئیں۔ نکاح ہوا۔ لیکن دونوں میں نباہ نہ

ہو سکا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دیا اور کتاب مجید میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ نکاح اللہ عزوجل نے کیا۔ چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فخر یہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں وہ ہوں جس کا نکاح اللہ نے آسمان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا۔ آپ سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں۔ دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

نام مبارک زینب ام المساکین لقب یہ اس لیے کہ آپ فقرا کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ آپ پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ۳ھ میں آپ عقدِ نبوی میں آئیں۔ نکاح کو دو تین ماہ ہی گزرے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف حضرت زینب ہی ہیں جن کا وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر شریف تیس سال تھی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

آپ نے اپنی ذات کو بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہبہ کیا۔ نام مبارک میمونہ والد کا نام حارث، والدہ کا نام ہند تھا۔ پہلے مسعود کے نکاح میں تھیں۔ ان سے طلاق کے بعد ابودرہم سے نکاح ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ ۵۱ھ میں وفات پائی۔ آپ سے ستر حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ان کی پہلی شادی مسافع

بن صفوان سے ہوئی جو غزوہ مریسیع ۵ھ میں قتل ہوا اور یہ بھی لونڈی غلاموں میں ہاتھ آئیں اور ثابت قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا اور عقد نکاح میں لیا۔

ربیع الاوّل ۵۰ھ میں وفات پائی جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

آپ سے سات حدیثیں مروی ہیں۔ دو بخاری میں اور دو مسلم میں ہیں۔

حضرت صفیہ اسرائیلیہ رضی اللہ عنہا

نام مبارک زینب، اور باپ کا نام حیی بن اخطب تھا، جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا، جو بنو قریظہ کے سموأل کی بیٹی تھی۔ ان کی پہلی شادی شام بن مشکم سے ہوئی۔ طلاق کے بعد دوسری شادی کنانہ بن الحقیق کے ساتھ ہوئی۔ ۷ھ میں جب قلعہ قموص (خیبر) فتح ہوا تو کنانہ قتل ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور بھائی بھی کام آئے اور یہ گرفتار ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وجبہ سے لے کر آزاد کیا اور نکاح فرمایا۔ ۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر پا کر وصال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

آپ سے دس حدیثیں مروی ہیں جن سے صرف ایک متفق علیہ ہے۔



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ مبارک

متفق روایات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ اولادیں تھیں۔

۱) حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

جو اظہار نبوت سے گیارہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ سات دن زندگی پائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو قاسم انہی کے انتساب سے ہے۔ یہ کنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھی۔

۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔ ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع لقیط سے شادی ہوئی۔ ۷ یا ۵ ہجری میں ابوالعاص مسلمان ہوئے۔ دوبارہ انہیں سے نکاح ہوا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۸ھ میں انتقال فرمایا۔

۳) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

اظہار نبوت سے قبل ۳۳ سال کی عمر میں پیدا ہوئیں، ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی۔ جس نے ان کو چھوڑ دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کی شادی جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کردی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو دونوں ہجرتوں میں یہ ان کے ساتھ تھیں جس روز غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح کا مژدہ سنایا گیا۔ اسی روز انہوں نے وفات پائی۔

۴) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

۶ سال قبل از نبوت پیدا ہوئیں۔ حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد ربیع الاوّل کے مہینہ میں ان کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ چھ برس تک حضرت کے ساتھ رہیں۔ شعبان ۹ھ میں وفات ہوئی۔

۵) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

اظہار نبوت کے اھ میں پیدا ہوئیں۔ جب پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو ۲ھ میں حضرت علی سے نکاح ہوا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اکیس سال پانچ مہینے کے تھے۔ ۴۸۰ درہم مہر مقرر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پلنگ، ایک چادر دو چکیاں اور ایک مشک جہیز میں دی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بعض اوقات خانگی معاملات میں رنجش ہو جاتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر جا کر صلح کروا دیتے اور بہت خوش ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرا نکاح کرنا چاہا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میری جگر گوشہ ہے جس سے اسے دکھ پہنچے گا مجھے بھی اذیت ہوگی، پھر جناب علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا۔ یہ تمام اولادیں جناب خدیجہ الکبریٰ سے تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ (بخاری)

۶) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

سب سے آخری اولاد ذی الحجہ ۸ھ میں جنابہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ حضور انہیں گود میں لیتے اور چومتے تھے۔ پندرہ مہینے زندگی پائی۔ ۹ھ میں وفات پائی۔ اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا۔ سورج کو گرہن لگ گیا۔ عرب میں عام خیال تھا کہ کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو چاند کو گرہن لگ جاتا ہے۔

یہ ہی مشہور ہو گیا کہ سورج گہن ان کی موت کا اثر ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''چاند سورج خدا کی نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت سے انہیں گرہن نہیں لگتا''۔

(بخاری)

نوٹ: حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کے بارے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ صاحبزادوں کے بارے میں سخت اختلاف ہے صاحبزادوں کی تعداد آٹھ تک بتائی جاتی ہے۔

حضور ﷺ کی چار صاحبزادیوں کے ثبوت

قرآن مجید میں فرمایا لِاَزْوَاجِكَ (سورہ احزاب) اے نبی اپنی بیبیوں سے فرما دو۔ ازواج جمع کا صیغہ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک نہیں متعدد بیویاں تھیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کے متعلق قرآن میں فرمایا وَبَنَاتِكَ بنات بھی جمع کا صیغہ ہے جس سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ کی ایک نہیں متعدد صاحبزادیاں تھیں۔ ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیجئے۔

۱) تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر
۲) استیعاب جلد اوّل صفحہ ۲۲
۳) ترجمہ تاریخ طبری فارسی جلد ا صفحہ ۵۴۴
۴) تاریخ ابن خلدون کتاب ۲ جلد ۳ صفحہ ۲۲۹۔۲۳۰
۵) نہج البلاغۃ مطبوعہ مطبع رحمانیہ صفحہ ۳۲۲۔۳۲۳ کا حاشیہ
۶) اصول کافی باب مولد النبی ﷺ صفحہ ۲۷۸
۷) تاریخ طبری فارسی جلد ۲ صفحہ ۳۷۵
۸) حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۸۹

۹) صافی شرح کافی جزو سوم حصہ ۲ صفحہ ۱۴۶۔۱۴۷

۱۰) زاد المعاد عربی وفارسی صفحہ ۴۲۸

۱۱) حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۱۸۷

۱۲) کتاب الخصال جلد ۲ صفحہ ۳۷۔۳۸

۱۳) نیرنگ فصاحت صفحہ ۳۲۶

۱۴) اخبار الرجال صفحہ ۲۴۱

۱۵) کتاب تحفۃ العوام صفحہ ۱۱۲

۱۶) مدارج النبوہ جلد ۲ صفحہ ۵۳۳۔۵۳۸، ۵۴۲۔۵۴۸

۱۷) شفاء الصدور والکروب جلد ۲ صفحہ ۱۰۳

۱۸) حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۴۲۸

۱۹) الجواہر المضیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰

۲۰) زرقانی شرح مواہب جلد ۳ صفحہ ۴۹۲ تا ۶۱۵

۲۱) زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۸۶

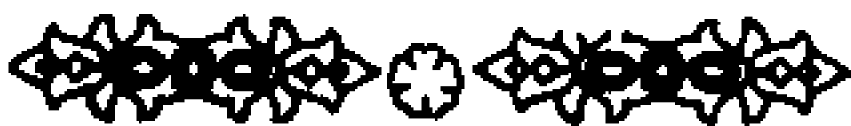
۲۲) مظاہر حق جلد ۴ صفحہ ۴۸۸، ۴۸۹

۲۳) انسان العیون جلد سوم صفحہ ۲۲۵

۲۴) تاریخ التواریخ جلد ۱ کتاب دوم صفحہ ۵۹۷ تا ۵۹۸

۲۵) تذکرہ الکرام صفحہ ۶۴

۲۶) سیرۃ النبی (ابن ہشام) جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۱



حقائق وبصائر

انصاف ودیانت اور خدا خوفی کے ساتھ کسی مسئلہ پر غور کرنے والوں کے لیے

"کچھ مسائل ہیں جن میں اختلاف کیا جاتا ہے کچھ واقعات ہیں جنہیں غلط رنگ دے کر غلط نتائج نکالے جاتے ہیں حق کیا ہے؟ اصل حقیقت کیا ہے؟ مندرجہ ذیل حقائق اس سلسلہ میں روشنی کا باعث ہو سکتے ہیں بشرطیکہ انصاف ودیانت اور خدا خوفی کے ساتھ غور وفکر کیا جائے"۔

رفیق قبر وغار

امیر المومنین امام اوّل سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضور سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلوئے مقدس میں جگہ پانا آپ کی ایک ایسی خصوصیت وفضیلت ہے جس کا انکار آفتاب کے انکار کے مترادف ہے۔ گنبد خضریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں اور آپ کے پہلو میں حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی آرام فرما رہے ہیں۔ اگر ایمان کی نظروں سے دیکھا جائے تو یہ واضح ہے کہ ان دونوں حضرات کے ذوق محبت رسول کو اس درجہ قبولیت حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی رفاقت عطا فرمادی۔

سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کا درجہ

سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کربلا کی قبر اطہر ومنور کے متعلق امام ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ

کے ارشادات یہ ہیں:

۱) عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ مَوضِعُ قَبْرِ الْحُسَیْنِ عَلَیْہِ السَّلَامُ ترعۃٌ مَنْ تُرَعَ الْجَنَّۃَ۔

حضرت ابی عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کی جگہ جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے"۔(من لا یحضرہ الفقیہ جلد۲ صفحہ۱۸۲)

۲) وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَرِیم قبر الحُسَیْنِ عَلَیْہِ السَّلَامِ خَمْسَۃُ فراسخ من اربعۃ جوانب القبر۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کا حریم ہر طرف سے پانچ پانچ فرسخ ہے۔

۳) عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ موَضعُ قَبرِ الْحُسَیْنِ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنذُ یَومِ دُفِنَ فِیْہَ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَّاضِ الْجَنَّۃِ۔

"ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا جب سے حضرت امام حسین دفن ہوئے اس وقت سے ان کے روضہ کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد دوم صفحہ ۱۸۳)

جہاں روایات سے عظمت حسین کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس مقدس ومطہر زمین پر آج حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور جو عرش وکرسی ولوح وقلم اور جنت سے بھی افضل واعلیٰ برتر وبالا مقام ہے وہیں حضرت امیر المومنین صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما آرام فرما ہیں۔اور یہ بات حضرت صدیق و فاروق کے کامل الایمان اور عاشق رسول ہونے کی دلیل واضح ہے۔

تیرے ذوقِ محبت کو شرف اللہ نے یہ بخشا
کہ حاصل ہے حضوری دائمی تجھ کو پیغمبر کی

تین چاند

جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام ان کے ہاں گزارے اور انہی کے پہلو میں وصال فرمایا اور انہی کے حجرہ مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ بنا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے تین چاند ان کے حجرے میں اترے ہیں۔ اسکی تعبیر یہی قرار پائی کہ وہ تین چاند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبر اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہم تھے۔

روضہ اقدس

حضرت مولانا جامی قدس سرہ العزیز نے شواہد النبوت میں یہ روایت لکھی ہے:

''حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے اور انہوں نے یہ تاکید کی تھی کہ میرا جنازہ تیار کر کے بحضور نبوی پیش کر دینا اور یہ عرض کرنا:

''ابوبکر حاضر ہے اجازت ہو تو آپ کے پہلو میں دفن کر دیا جائے؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ہو تو دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔ جب یہ کلمات بحضور نبوی عرض کیے گئے تو روضہ پاک سے یہ آواز آئی ادخلوا الحبیب الی الحبیب ''دوست کو اس کے دوست کے پاس بھیج دو''۔

حضرت صدیق و فاروق کی عظیم و جلیل فضیلت

حضرت صدیق و فاروق کی یہ عظمت اور بہت بڑی فضیلت ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی اسی حجرہ نوری میں دفن ہیں جہاں آج حضور جلوہ فرما ہیں۔ زبان و قلم

سے ان کی اس فضیلت کا انکار کر دینا آسان ہے مگر حقیقت محض باتوں سے ختم نہیں ہوا کرتی۔ ترجمہ مقبول صفحہ ۶۲۷ پر اصول کافی کی یہ روایت درج ہے کہ:

''سیّدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب رحم مادر میں نطفہ قرار پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے مدفن کی زمین کی مٹی اس کے نطفہ میں ملا دینے کا حکم فرماتا ہے۔ پھر اس شخص کا دل ہمیشہ اس جگہ کی طرف مائل رہتا ہے۔ جب تک کہ اس میں دفن نہ ہو جائے''۔

اور سیّدہ عفیفہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ نوری کی یہ کیفیت ہے کہ اس میں جہاں حضور سیّد عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔ وہاں سیّدنا صدیق اکبر اور سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں۔

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے جس مقدس مٹی سے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کو بنایا اسی کے قریب کی مٹی سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو بنایا اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قریب والی مٹی سے، جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو مرکب فرمایا اور یہ وہ فضیلت عظمیٰ ہے جو تمام امت میں سوائے ان دونوں حضرات کے اور کسی کو حاصل نہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی نظر میں

علامہ علی ابن ابراہیم قمی تفسیر قمی میں امیر المومنین امام اوّل خلیفہ بلافصل سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح مندرجہ ذیل روایات درج کی ہیں:

حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ بَعْضِ رِجَالِہٖ رَفَعَہٗ اِلٰی اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ لَمَّا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْغَارِ قَالَ لِاَبِیْ بَکْرٍ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی سَفِیْنَۃِ جَعْفَرٍ وَ اَصْحَابِہٖ تَقُوْمُ وَاَنْظُرُ اِلَی الْاَنْصَارِ فِیْ بُیُوْتِہِمْ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ تَرَاھُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَرِنِیْہِمْ فَمَسَحَ عَلٰی عَیْنَیْہِ

فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اَنْتَ الصِّدِّيْقُ۔

(تفسیر قمی صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ تہران)

''امام حسن عسکری فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے اپنے راویوں سے روایت کر کے فرمایا کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے تو آپ نے ابوبکر سے فرمایا کہ میں بطور مکاشفہ جعفر طیار اور اس کے ساتھیوں کی کشتی کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ٹھہری ہوئی ہے اور انصار کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے مکانات میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے بھی دکھا دیجئے۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو انہوں نے دیکھ لیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم صدیق ہو''۔

غور کیجئے جس مقدس انسان کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس زبان سے صدیق فرمایا اس کے صدیق ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہے مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى الخ پھر نبوت کے بعد بلا فصل رتبہ صدیق کا ہی ہوتا ہے، کیونکہ قرآن پاک میں یہی ترتیب ہے: مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونے کی وجہ سے خلیفہ بلا فصل ہونا اور افضل الخلائق بعد الانبیاء ہونا واضح ہے یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علالت کے زمانہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو چن کو اپنی جگہ مصلیٰ پر امامت کے لیے کھڑا کر دیا۔ چنانچہ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ پر ہے۔

قَالَ صَلّٰى بِهِمْ اَبُوْبَكْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔

''زمانہ حیات نبوی میں صدیق اکبر نے تین دن نماز پڑھائی''۔

اور حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی احتجاج طبرسی میں ہے:

ثُمَّ قَامَ وَ تَهَيَّاءَ لِلصَّلٰوةِ وَ حَضَرَ الْمَسْجِدَ وَ صَلّٰى خَلْفَ اَبِىْ بَكْرٍ۔ (احتجاج طبری صفحہ ۵۲)

''پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور نماز کی تیاری کی اور مسجد میں آ کر حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی''۔

غور کیجئے! حضرت شیر خدا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جو صدیق نہ ہو اور جس کی خلافت حق نہ ہو اور جو معاذ اللہ غاصب اور خائن ہو؟

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارِ نبوت کو اٹھالیا

علامہ مومن علی کرمانی حملہ حیدری میں ہجرت کے واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

چنیں گفت راوی کہ سالارِ دیں! چو سالم بحفظ جہاں آفریں
ز نزدیک ایں قوم مکر رفت بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پے ہجرت او نیز آمادہ بود کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بر در خانہ اش چوں رسید! بگوشش ندائے سفر در کشید
چوں بوبکر زاں حال آگاہ شد زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد
گرفتند پس راہ یثرب بہ پیش نبی کند نعلیں از پائے خویش
بسر پنجہ آن رفتن گرفت !! پے خود ز دشمن نہفتن گرفت
چو رفتند چندے رد امان دشت قدم فلک سائے مجروح گشت
ابوبکر آنکہ بدوشش گرفت وازیں حدیث ست جائے شگفت
کہ درکس چناں قوت آید پدید کہ بار نبوت تواند کشید!!
برفتند القصہ چندے دگر چو گردید پیدا نشان سحر
بجستند جائیکہ باشد پناہ زچشم کساں دور یک سو زرراہ
بدیدند غارے در آں تیرہ شب کہ خوانند عرب غار ثورش لقب

گرفتند در جوف آں غار جائے ولے پیش بنہاد ابوبکر پائے
در آمد رسول خدا ہم بہ غار نشستند یک جا بہم ہر دو یار

”راوی نے ایسا بیان کیا کہ رسول خدا جب صحیح سالم خدا کی حفاظت میں اس قوم پر فریب کے پاس سے نکلے تو ابوبکر صدیق کے گھر کی طرف تشریف لے گئے وہ بھی ہجرت کے لیے تیار بیٹھے تھے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو پہل ہی خبر دے دی تھی۔ حضور جب ان کے گھر پہنچے ہیں تب ان کے کان میں سفر ہجرت کی خبر پہنچائی۔ پھر جب ابوبکر اس حال سے آگاہ ہوئے تو گھر سے باہر نکل پڑے اور ساتھ ہو لیے پر دونوں نے یثرب کا راستہ لیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نعلین پاک اپنے پاؤں سے اتاریں اور پنجہ کے بل راستہ پر چلنا شروع کیا۔ اور اپنے کو دشمن سے بچنے کے لیے یہ عمل اختیار کیا۔ جب تھوڑی دیر میدان میں چلے، قدم مبارک زخمی ہو گئے۔ فوراً ابوبکر صدیق نے اپنے کندھے پر بٹھایا۔ لیکن اس امر سے سخت تعجب ہوتا ہے ایک شخص کے اندر ایسی قوت کیسے پیدا ہو گئی۔ کہ بار نبوت کو اٹھا سکا القصہ پھر کچھ چلے، جب علامت صبح ظاہر ہوئی تو ایسی جگہ تلاش کرنے لگے کہ جہاں پناہ لے سکیں اور جو لوگوں کی نظروں سے اور راہ سے کنارے پر ہو۔ اس تاریک شب میں ایک غار دیکھا جس کو عرب غارِ ثور کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس غار کے اندر جگہ لی۔ لیکن پہلے ابوبکر نے اس میں قدم رکھا اور جس جگہ سوراخ یا دراز دیکھے اپنی قبا پھاڑ کر اس کو بند کیا۔ پھر رسول خدا بھی غار میں داخل ہوئے اور دونوں یار مل کر بیٹھ گئے۔ (حملہ حیدری صفحہ ۵۸ واقعہ ہجرت)

پیغمبر مرازاں ازاں را برد!! براں رہ کہ می رفت ہمراہ برد
چو شد یار رہ بارسول کبار ازاں بوبکر روی شد یار غار
ابوبکر یک پور فرزانہ داشت کہ دل از دولات بے گانہ داشت
دراں غار بردے بہر بامدار!! زبہر نبی خوردنی از دوار!!

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس راہ میں ساتھ لے لیا۔ چونکہ رفیق سفر رسول کبار کے ہو گئے تھے۔ اسی لیے ابوبکر یار غار بن گئے۔ ابوبکر کے ایک عقلمند فرزند تھا جو لات اور بتوں سے بیزار تھا اور ہر صبح کو اس غار میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے نہایت خلوص ومحبت سے خورد ونوش کی چیزیں لے کر جایا کرتا تھا"۔

بوقت ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خدا کے حکم سے ساتھ لیا تھا

مجالس المومنین میں عبدالجلیل قزوینی لکھتے ہیں کہ "وبہمہ حال رفتن محمد و بردن ابوبکر بے فرمان خدا نہ بود" یعنی ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت فرمانا اور اپنے ساتھ ابوبکر کو لینا خدا کے حکم کے بغیر نہ تھا (مجلس پنجم صفحہ ۳۱) اب غور کیجئے کہ اگر حضرت ابوبکر معاذ اللہ مومن نہ تھے تو اللہ تعالیٰ ہجرت جیسے نازک موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانے کا حکم کیوں فرمایا؟ ایسے نازک مواقع پر تو مخلص مومنوں ہی کو ساتھ لیا جاتا ہے۔

سیّدنا امام جعفر صادق نے فرمایا ابوبکر کیا اچھے صدیق ہیں

علامہ علی بن عیسیٰ اردبیلی اپنی مقبول کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں رقم طراز ہیں:

اَنَّہٗ سُئِلَ الْاِمَامُ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنْ حِلْیَةِ السَّیْفِ هَلْ یَجُوْزُ فَقَالَ نَعَمْ حَلّٰی اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ قَبْضَةً بِفِضَّةٍ فَقَالَ الرَّاوِیُ اَتَقُوْلُ هٰکَذَا فَوَثَبَ الْاِمَامُ عَنْ مَکَانِہٖ فَقَالَ نَعَمَ الصِّدِّیْقُ نَعَمَ الصِّدِّیْقُ نِعْمَ الصِّدِّیْقُ فَمَنْ لَّمْ یَقُلْ لَہٗ الصِّدِّیْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰہُ قَوْلَہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

(کشف الغمہ)

"کسی شخص نے امام جعفر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوانا

جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار پر چاندی کا قبضہ لگوایا تھا۔ تو راوی نے امام سے عرض کیا کہ اے امام آپ نے بھی ابوبکر کو صدیق کہہ دیا یہ سنتے ہی امام اپنی جگہ پر اچھل پڑے اور فرمایا کہ کیا اچھے صدیق تھے کیا اچھے صدیق تھے کیا اچھے صدیق تھے اور جو شخص ان کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے"۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفاقت نے کفار کے لوہے ٹھنڈے کر دیئے

علامہ مومن کرمانی لکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے جب اسلام قبول کیا تو کفار عرب میں کہرام مچ گیا اور لوگ کہنے لگے کہ اب ہمارا دین پامال ہو جائے گا۔

نزد رسول خدا کرد جائے ! ابوبکر خوانندش رغول خدائے
چو شد دین اسلام او را قبول پذیرفت اسلام نزد رسول
بقوم و قبائل در افتاد شور بہ نگاہ برخواست شور و نشور
بہر برزے مردو زن انجمن! ز کفر و ز اسلام او بد سخن
ہمہ قوم کفار زار و نزار! زغیرت ہمہ دیدہا اشکبار
کہ چوں او بزرگی زبس ترس و بیم شود یار ایں نور سیّدہ یتیم!
ہمہ دین مازیر پائے آورند! رہ بندگی را بجائے آورند
چو او بایشے بجاں گشتیار بکاہش شود گردش روزگار
شود دین او راست گرد د جہاں شود است گفتار کار آگہاں

(حملہ حیدری صفحہ ۴۰)

"ابوبکر نزدیک رسول خدا پہنچے اور رسول خدا نے ان کو ابوبکر کہہ کر پکارا۔ چونکہ دین اسلام ان کو پسندیدہ خاطر ہو چکا تھا۔ اس لیے رسول کے پاس اسلام قبول کیا۔ اس سے قوم اور قبیلوں میں شور برپا ہو گیا۔ اور کفار میں شور و نشور پیدا ہو گیا، ہر گلی کوچے میں چرچے

ہونے لگے۔ ان کے کفر اور اسلام کے بارے میں باتیں ہونے لگیں تمام قوم کفار کی حالت زار ہوگئی۔ غیرت کے مارے رونے لگے کہ ایسا بزرگ اس نوجوان یتیم کا یار ہوگیا۔ اب دونوں ہمارے دین کو پامال کردیں گے اور اطاعت خدا کریں گے"۔

صدیق اکبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور آپ نے دعا دی

یہ ہی علامہ مومن کرمانی لکھتے ہیں:

بپاسخ ابوبکر از جائے خاست — وزاں پس عمر نیز قد کرد راست
بگفتند یا سیّد المرسلین — قدم پیش مگزار ما را بہ بیں
کہ با دشمن دیں چہامی کنم — جہاں در پیت جاں فدا می کنم
وزاں پس زجا خاست مقداد نیز — بگفت اے حبیب خدائے عزیز
بود تاب تن جان و در کف تواں — بیاریم شمشیر بر دشمنان
ازاں گشتہ خوش دل رسول خدا — بفرمود در حق ایشاں دعا!!

(حملہ حیدری صفحہ ۵۸) (اس کے بعد دعا کے الفاظ ہیں)

"معروض پیش کرنے کے لیے ابوبکر کھڑے ہوئے بعدہٗ عمر کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آپ میدان جنگ میں، تشریف لے چلیں۔ پھر ہم کو دیکھیں کہ ہم دشمنان دین کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور آپ کے قدموں پر کس طرح جان فدا کرتے ہیں۔ اس کے بعد مقداد اٹھے اور کہا کہ اے حبیب خدا جب تک تن میں جان ہے اور بازو میں قوت دشمنوں پر تلوار چلائیں گے۔ اس سے رسول خدا خوش ہوگئے اور ان سب کے حق میں دعا فرمائی"۔

رفیق فی الغار

فروع کافی میں ہے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ یَقُوْلُ لِاَبِیْ بَکْرٍ فِی الْغَارِ اُسْکُنْ فَاِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔

''حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے غار میں فرمایا گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے''۔ (فروع کافی کتاب الروضہ جلد سوم صفحہ ۱۳۲)

غور کیجئے، حضور فرماتے ہیں: فَاِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اگر خدانخواستہ صدیق اکبر کے دل میں ذرا بھی کجی ہوتی تو حضور ﷺ اس کے بجائے یہ فرماتے صدیق گھبراتے کیوں ہو خدا میرے ساتھ ہے۔ مگر حضور ﷺ نے یہ یہی فرمایا۔ خدا ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ سبحان اللہ!

صدیق اکبر امام الاتقیا ہیں

علامہ طبری آیہ مبارکہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اَلَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَصَدَّقَ بِہٖ اَبُوْبَکْرٍ۔

''حق وصداقت لانے والے حضور اکرم ﷺ ہیں اور اس صداقت کاملہ کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ابو بکر ہیں''۔

امام جعفر صادق کا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے متعلق ارشاد گرامی

ھُمَا اِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ کَانَا عَلَی الْحَقِ وَمَاتَا عَلَیْہِ فَعَلَیْھِمَا رَحْمَۃُ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ (کشف الغمہ)

''حضرت ابو بکر اور عمر دونوں عادل و منصف تھے اور دونوں حق پر تھے اور حق پر ان کا انتقال ہوا ان پر قیامت تک خدا کی رحمت ہو''۔

سیّدنا علی نے ایک حکم جاری فرمایا

لَا یُفَضِّلُنِیَ اَحَدٌ عَلٰی اَبِی بَکْرٍ وعُمَرَ اِلَّا جَلَدْتُّہٗ حَدَّالْمُفْتَرِی۔

''جو مجھے ابوبکر اور عمر پر فضیلت دے گا میں اسے مفتری کی حد ماروں گا''۔

حضرت امام باقر کا فیصلہ

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

لَسْتُ بِمُنْکِرٍ فَضْلَ اَبِی بَکْرٍ وَلَسْتُ بِمُنْکِرٍ فَضْلَ عُمَرَ وَلٰکِنَّ اَبَابَکْرٍ اَفْضَلُ مِنْہُ۔

''میں ابوبکر وعمر کے فضائل کا منکر نہیں ہوں لیکن ابوبکر عمر سے افضل ہیں''۔

(احتجاج طبری صفحہ ۲۰۴)

غور کیجیے امام جعفر صادق و امام باقر رضی اللہ عنہما کے فیصلے کے بعد بھی جناب ابوبکر و عمر کے کامل الایمان ہونے اور ان کے سب سے افضل ہونے کا انکار کیا جا سکتا ہے؟

شیرِ خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

اب اس کے بعد آخری اور قطعی فیصلہ حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سنیے۔

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک خط امیر معاویہ کو حسب ذیل عبارت کا لکھا۔ اس خط کو تمام شارحین نہج البلاغہ نے نقل کیا ہے۔ ہم اس کو علامہ ابن میثم کی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران جز ۳۱ سے نقل کرتے ہیں۔

وَکَانَ اَفْضَلَھُمْ فِی الْاِسْلَامِ کَمَا زَعَمْتَ وَاَنْصَحَھُمْ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ الْخَلِیْفَۃُ الصِّدِّیْقُ وَخَلِیْفَۃُ الْخَلِیْفَۃِ الْفَارُوْقُ وَلَعَمْرِیْ اِنَّ مَکَانَھُمَا فِی الْاِسْلَامِ لَعَظِیْمٌ وَاِنَّ الْمُصَابَ بِھِمَا لَجُرْحٌ فِی الْاِسْلَامِ شَدِیْدٌ یَرْحَمُھُمَا اللّٰہُ وَجَزَاھُمَا بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا۔

’’اور اسلام میں سب سے افضل اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص رکھنے میں سب سے بڑھ کر جیسا کہ تم نے بیان کیا۔ خلیفہ صدیق تھے اور خلیفہ کے خلیفہ فاروق اور قسم مجھے اپنی جان کی کہ بہ تحقیق ان دونوں کا مقام اسلام میں بڑا ہے اور بہ تحقیق ان کی وفات سے اسلام کو سخت زخم پہنچا اللہ ان دونوں پر رحمت نازل کرے اور ان کو ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دے‘‘۔

فرمایئے! حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد بھی کیا کسی کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور ان کے کامل الایمان ہونے اور افضل واکمل ہونے میں کچھ شک رہ سکتا ہے۔

صدیق اکبر اور حیدر کرار رضی اللہ عنہم کے درمیان محبت کا ایک نمونہ

ایک دن ابوبکر و عمر و سعد بن معاذ مسجد رسول میں بیٹھے آپس میں مزاوجت جناب فاطمہ کا ذکر کر رہے تھے ابوبکر نے کہا کہ اشراف قریش نے فاطمہ کی خواست گاری حضرت سے کی اور حضرت نے ان کو جواب دیا کہ اسکا اختیار پروردگار کو ہے اور حضرت علی ابن ابی طالب نے اس کے بارے میں حضرت سے کچھ نہیں کہا اور نہ کسی نے ان کی طرف سے کہا اور گمان یہی ہے کہ سوائے تنگ دستی کے اور کچھ مانع نہیں ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ خدا اور رسول نے فاطمہ کو بے شک علی کے لئے رکھا ہے۔ پس ابوبکر نے سعد بن معاذ سے کہا اٹھو علی کے پاس چلیں اور ان سے کہیں کہ فاطمہ کی خواست گاری کرو۔ اگر تنگ دستی انہیں مانع ہے تو ہم اس بات میں ان کی مدد کریں گے۔

سعد بن معاذ نے کہا بہت درست ہے۔

یہ کہہ کر اٹھے اور جناب امیر کے گھر گئے۔ جناب امیر کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت نے فرمایا کس لیے آئے ہو۔ ابوبکر نے کہا اے ابوالحسن کوئی فضیلت، فضیلت

ہائے نیک سے نہیں ہے۔ مگر یہ کہ تم اور لوگوں پر اس فضیلت میں سابق ہو۔ تمہارے اور حضرت رسول ﷺ کے درمیان جو رابطہ بہ سبب یگانگی اور مصاحبت دائمی و نصرت باری اور جو روابط معنوی ہیں وہ معلوم ہیں۔ جمیع قریش نے فاطمہ کی خواستگاری کی۔ مگر حضرت نے قبول نہ کی اور جواب دیا کہ اس کا اختیار پروردگار کو ہے۔ پس تم کو کیا چیز فاطمہ کی خواستگاری سے مانع ہے۔ ہم کو گمان یہ ہے کہ خدا و رسول نے فاطمہ کو تمہارے واسطے رکھا ہے۔ باقی اور لوگوں سے منع کیا ہے۔

امیر نے ابوبکر سے یہ سنا اور آنسو چشم ہائے مبارک سے جاری ہوئے اور فرمایا میرا غم اور اندوہ تم نے تازہ کیا اور جو آرزو میرے دل میں پنہاں تھی۔ اس کو تم نے تیز کر دیا۔ کون ایسا ہوگا جو فاطمہ کی خواستگاری نہ چاہتا ہو۔ لیکن مجھے یہ بہ سبب تنگ دستی اس امر کے اظہار سے شرم آتی ہے۔ پس ان لوگوں نے جس طرح سے ہوا۔ جناب امیر کو راضی کیا کہ جناب رسول خدا ﷺ کے پاس جا کر حضرت فاطمہ کی خواستگاری کریں۔

(جلاء العیون اردو جلد اول صفحہ ۱۸)

حضرت سیّدۃ النساء رضی اللہ عنہا کا جہیز

حضرت سیدہ النساء رضی اللہ عنہا کا جہیز خریدنے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے صدیق اکبر کو منتخب کیا۔ جناب امیر نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے مجھے ارشاد کیا۔ یاعلی اٹھو اور اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ پس میں گیا اور زرہ فروخت کر کے اس کی قیمت حضرت کی خدمت میں لایا اور روپے حضرت کے دامن میں رکھ دیے۔ حضرت نے مجھ سے نہ پوچھا کہ کتنے روپے ہیں اور میں نے کچھ نہ کہا۔ پس ان سے ایک مٹھی روپیہ لیا اور بلال کو بلا کر دیا اور فرمایا کہ فاطمہ کے لیے عطر اور خوشبو لے آ۔

پس ان دراہم میں سے دو مٹھیاں لے کر ابوبکر کو دیں اور فرمایا کہ بازار میں جا اور کپڑا وغیرہ جو کچھ اثاث البیت کا درکار ہے لے آ۔ پس عمار بن یاسر اور ایک

جماعت صحابہ کو حضرت ابوبکر کے پیچھے بھیجا اور سب بازار میں پہنچے۔ پس ان میں ہر ایک شخص جو چیز لیتا تھا۔ ابوبکر کے مشورے سے خرید کرتا اور دکھالیتا تھا۔
پس ایک پیراہن سات درہم کو اور ایک مقنعہ چار درہم کو اور ایک چادر سیاہ خیبری و کرسی کے دونوں پاتا اس کے لیف خرما سے جڑے تھے اور دو توشک جامہ ہائے مصری کی ایک کو لیف خرما سے اور دوسرے کو پشم گوسفند سے بھرا تھا۔

صدیق اکبر عامل بالسنّت تھے خلافت کی خوبیوں سے بہرہ ور تھے

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا حقیقت افروز اعلان:

لِلّٰہِ بِلَادُ فُلَانٍ لَقَدْ قَوَّمَا وَاَقَامَ الْسُّنَّتَ وَخَلَّفَ الْفِتْنَۃَ ذَھَبَ نَقِیَّ الثَّوْبِ وَقَلِیْلَ الْعَیْبِ اَصَابَ خَیْرَھَا وَسَبَقَ شَرَّھَا۔

اللہ کے لیے خلافت تھی فلاں شخص کی (صدیق اکبر کی) بے شک اس نے کجی کو سیدھا کیا اور سنت کو قائم کیا اور فتنوں کو پیچھے کر دیا خود دنیا سے پاک دامن و کم عیب رخصت ہوا اور خلافت کی خوبیوں سے بہرہ ور ہوا اور اس کی برائیوں سے پہلے چلا گیا"۔

(نہج البلاغۃ۔ شرح ابن ملیم صفحہ ۲۰۷)

جب حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ نے وفات پائی تو قبر کھدوانے کے لیے

رسول کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا:

فَلَمَّا مَاتَتْ دَعَا اُسَامَۃَ وَعُمَرَ فَحَفَرَا لَھَا قَبْرَھَا۔

پس جب فاطمہ بنت اسد حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ فوت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اسامہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا پس انہوں نے ان کی قبر کھودی"۔

(مراۃ العقول جلد اوّل مطبوعہ نجف اشرف شرح اصول کافی)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

صدیق اکبر کی زوجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرنے کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔ (مسلم بین الفریقین)

سیّدنا صدیق اکبر بیمار ہوئے

سیّدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی تیمارداری کی۔ امام جعفر صادق سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ شیخین (صدیق اکبر اور فاروق اعظم) اور علی ابن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ فرمایا ہاں! پوچھا کہ وہ کینہ کیا تھا جس کو حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں سے نکال دیا فرمایا کہ کینہ جاہلیت جو اولاد تیم وعدی وہاشم میں تھا وہ اسلام وایمان کے بعد محبت والفت کی شکل میں تبدیل ہو گیا حتی کہ جب ابوبکر صدیق درد خاصرہ میں مبتلا ہوئے تو حضرت علی نے بہ نفس نفیس بڑے انہاک سے آپ کا معالجہ کیا۔ (منتہی الکلام صفحہ ۴۸ معنفہ مولوی حیدری علی)

جو صدیق کو صدیق نہ سمجھے گا وہ جھوٹا ہے

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی جناب امام جعفر صادق، امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب زین العابدین کے پاس آکر عرض کیا کہ مجھے ابوبکر کے کچھ حالات سنایئے۔ آپ نے فرمایا تم ابوبکر کے حالات پوچھتے ہو۔ سائل نے عرض کیا کہ آپ ان کو صدیق کے لقب سے یاد فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تیری ماں تجھ پر روئے ان کو تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مہاجرین وانصار اسی معزز لقب (صدیق) سے یاد فرماتے تھے اور جو شخص ان کو

صدیق نہ کہے گا حق تعالیٰ اس کی دارین میں تصدیق نہیں کریں گے جاؤ اور شیخین کے دوست ہو جاؤ"۔ (منتہی الکلام صفحہ ۴۸۳)

جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل سمجھے

حضرت امیر علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ ابن سبا اور اس کی ذریت حضرات شیخین کی برائی میں منہمک ہے تو آپ نے اسی وقت مسجد میں جا کر ایک خطبہ شیخین کے فضائل میں پڑھا اور جناب صدیق اکبر کی امامت کا ذکر فرماتے ہوئے کہا کہ میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو امامت کے لیے منتخب فرمایا اور فرمایا کہ یاد رکھو میں جس شخص کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس نے مجھ کو شیخین سے افضل کہا ہے اس کو حد افترا کی سزا دوں گا چہ جائے کہ کوئی شخص ان کو بُرا کہے۔ (منتہی الکلام صفحہ ۴۸۹)

صدیق اکبر، فاروق اعظم سے افضل تھے۔ حضرت محمد باقر کا اعلان

لَسْتُ بِمُنْكِرٍ فَضْلَ اَبِیْ بَكْرٍ وَلَسْتَ بِمُنْكِرٍ فَضْلَ عُمَرَ وَلٰكِن اَبَابَكْرٍ اَفْضَلُ۔

"میں ابو بکر و عمر کے فضائل کا منکر نہیں ہوں لیکن ابو بکر افضل ہیں"۔

(حتجاج طبرسی صفحہ ۲۰۴)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صدیق اکبر کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تھے۔

ثُمَّ قَامَ وَتَهَيَّا لِلصَّلٰوةِ وَحَضَرَ الْمَسْجِدَ وَصَلّٰى خَلْفَ اَبِیْ بَكْرٍ۔

"بعدہٗ حضرت علی اٹھے اور نماز کے لیے تیار ہوئے اور مسجد نبوی میں حاضر ہو کر ابو بکر کے پیچھے نماز ادا کی"۔

علی مرتضیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہم کے پیچھے صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

القصہ جب رات گزری اور سپیدۂ سحر نے روئے عالم پر چادر نور بچھائی۔ اتفاقاً حکم قدر سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت ایسے محو خواب ہوئے کہ تاریکی شب نے

ساتھ روشنی صبح کے بدل کیا۔ پس بے اختیار اٹھے اور گزرے ہوئے وقت کے لیے بہت گھبرائے۔ ناچار آن کر اقامت کہی اور جماعت اہل دین نے ان کے پیچھے صف باندھی چنانچہ اس صف میں شاہ لافنا بھی تھے۔ (غزوات حیدری صفحہ ۲۲۷ ترجمہ حملہ حیدری)

انصار نے اسلام کی بے مثال مدد کی

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرماتے ہیں:

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْاَنْصَارِ هُمْ وَاللّٰهِ رَبُّوا الْاِسْلَامَ كَمَا يُرَبّٰى الْفَلُوَّ مَعَ غِنَاۤئِهِمْ بِاَيْدِيْهِمُ السِّبَاطِ وَالسِنَتِهِمُ السِّلَاطِ۔

خدا کی قسم! انہوں نے اسلام کی پرورش کی جیسے اونٹ کا چھوٹا بچہ پرورش کیا جاتا ہے باوجودیکہ ان کو کچھ حاجت نہ تھی اپنے سخاوت والے ہاتھوں اور اپنی دراز زبانوں سے (انہوں نے اسلام کی مدد کی)۔ (نہج البلاغہ جلد دوم مصری صفحہ ۱۵۲)

تمام اصحاب رسول کامل ایمان تھے

مولائے کائنات حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''البتہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کو دیکھا ہے اے میری جماعت تم میں سے کوئی بھی ان کے مشابہ نہیں ہے۔ بے شک دین میں جنگ کی وجہ سے غبار آلود رہتے تھے۔

(نہج البلاغہ جلد اوّل صفحہ ۱۹۰)

حسنین کریمین رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پہریدار مقرر کیا

''پس حکم کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو کہ لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روکیں۔ (نہج البلاغہ جلد اوّل صفحہ ۵)

حضرت سیّدہ شہر بانو کا نکاح امام حسین سے

الصافی شرح الصول کافی مرۃ العقول شرح فروع کافی اور اس کے علاوہ تمام

معتبر کتب میں موجود ہے اور اس واقعہ سے کسی کو انکار بھی نہیں ہے کہ حضرت شہر بانو عہد فاروقی میں قید ہو کر آئیں تو جناب فاروق اعظم نے فرمایا یہ شہزادی ہیں اور ان کے لیے شہزادہ ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ شہزادہ کونین سیّدنا امام حسین علیہ السلام سے آپ کا نکاح کر دیا گیا۔

حضرت فاروق اعظم شیر خدا کی نظر میں

نہج البلاغہ میں دو سخت نازک موقعوں پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مشورہ لینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نہایت اخلاص اور دلی محبت کے ساتھ مشورہ دینا مذکور ہے ملاحظہ فرمایئے نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۲۷۱ میں ہے:

وَمِنْ كَلَامٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ شَاوَرَهٗ عُمَرُ فِي الْخُرُوْجِ اِلٰى غَزْوَةِ الرُّوْمِ بِنَفْسِهٖ وَقَدْ تَوَكَّلَ اللّٰهُ لِاَهْلِ هٰذَا الدِّيْنِ بِاِعْزَازِ الْحَوْزَةِ وَسَتْرِ الْعَوْرَةِ وَالَّذِيْ نَصَرَهُمْ وَهُمْ قَلِيْلٌ لَا يَنْتَصِرُوْنَ وَمَنَعَهُمْ وَهُمْ قَلِيْلٌ لَا يَمْتَنِعُوْنَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ اِنَّكَ مَتٰى تَسِيْرُ اِلٰى هٰذَا الْعَدُوِّ بِنَفْسِكَ فَتَلْقَهُمْ فَتُنْكَبْ لَا تَكُنْ لِلْمُسْلِمِيْنَ كَانِفَةٌ دُوْنَ اَقْصٰى بِلَادِهِمْ فَلَيْسَ بَعْدَكَ مَرْجِعٌ يَرْجِعُوْنَ اِلَيْهِ فَابْعَثْ اِلَيْهِمْ رَجُلًا مُجَرِّبًا وَاحْفِزْ مَعَهٗ اَهْلَ الْبَلَاءِ وَالنَّصِيْحَةِ فَاِنْ اَظْهَرَ اللّٰهُ فَذَاكَ مَا تُحِبُّ وَاِنْ تَكُنِ الْاُخْرٰى كُنْتَ رِدْءًا لِلنَّاسِ وَمَثَابَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ۔

جناب امیر علیہ السلام کا یہ کلام اس وقت کا ہے جب کہ حضرت عمر نے جنگ روم میں خود اپنے جانے کے لیے ان سے مشورہ لیا ہے۔ بہ تحقیق اللہ اس دین والوں کے لیے ذمہ دار ہے ان کی جماعت کو عزت دینے اور ان کی کمزوریوں کو چھپانے کا اور جس نے ان کو اس حال میں مدد دی جبکہ وہ کم تھے فتح نہیں پا سکتے تھے اور اس حال میں

ان کو محفوظ رکھا کہ وہ کم تھے اور وہ محفوظ نہیں رہ سکتے تھے وہ اللہ اب بھی زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ تحقیق آپ جس وقت اس دشمن کے سامنے خود جائیں گے اور خود ان سے مقابلہ کریں گے تو اگر کہیں شہید ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو کوئی جائے پناہ ان کے آخری شہروں تک کہیں نہ ملے گی کیونکہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں جس کی طرف مسلمان رجوع کریں لہٰذا آپ کسی تجربہ کار شخص کو ان کی طرف روانہ کیجئے اور اس کے ساتھ آزمودہ کار اور خیر خواہ لوگوں کو بھیجئے تا کہ اللہ ان کو غلبہ دے تو یہی آپ کا مقصود ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی دوسری بات ہوئی تو آپ مسلمانوں کے لئے جائے پناہ اور ان کے مرجع ہیں"۔

فاروق اعظم میرے مخلص دوست ہیں

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ان کلمات کو غور سے پڑھو دیکھو کیسی محبت اور کیسی عقیدت ہے ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چند نتائج ان کلمات کے جو دل پر نقش کرنے کے قابل ہیں حسب ذیل ہیں:

۱) حضرت عمر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا محب مخلص جانتے تھے۔ مشورہ اسی سے طلب کی جاتا ہے جس کی محبت واخلاص پر اعتماد ہو۔

۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دین کے متعلق جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور تمام صحابہ کا تھا۔ فرمایا کہ اللہ اس کی عزت کا ذمہ دار ہے اور اس دین والوں کی خدا نے بے سروسامانی میں مدد کی وہ خدا اب بھی موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور تمام صحابہ کا دین وہی تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے کیونکہ یہ سب اوصاف اسی دین کے ہیں۔

حضرت فاروق مسلمانوں کا مرجع ہیں

حضرت علی حضرت عمر کی ذات اقدس کو بے مثل و بے نظیر جانتے تھے اور ان کا

یہ اعتماد تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں کو روئے زمین میں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا مددگار اور ملجاو ماوا فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں جانے سے روکا کہ مبادا وہ شہید نہ ہو جائیں اور اگر بقول مخالف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے عداوت ہوتی تو روکنے کے بجائے میدان جنگ میں جانے کی ترغیب دیتے اور ان کی شہادت کو مسلمانوں کے لیے راحت تصور کرتے۔

دوسرا مشورہ غزوہ فارس کے متعلق

نہج البلاغہ جلد اوّل مطبوعہ مصر صفحہ ۲۸۳ میں ہے:

وَمِنْ كَلَامٍ لَهُ عَلَيْهِ السلامُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَقَدْ شَاوَرَهُ فِي غَزْوَةِ الْفُرْسِ بِنَفْسِهِ إِنَّ هَذَا الْاَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهُ وَلَا خِذْلَانُهُ بِكَثْرَةٍ وَلَا قِلَّةٍ وَهُوَ دِيْنُ اللّٰهِ الَّذِيْ اَظْهَرَهُ وَجُنْدُهُ الَّذِيْ اَعَدَّهُ وَاَمَدَّهُ حَتّٰى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَطَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ وَنَحْنُ عَلٰى مَوْعُوْدٍ مِنَ اللّٰهِ مُنْجِزٍ وَعْدَهُ وَنَاصِرٍ جُنْدَهُ وَمَكَانُ الْقَيِّمِ بِالْاَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ يَجْمَعُهُ وَيَضُمُّهُ فَاِنِ انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُ ذَهَبَ ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعْ بِحَذَافِيْرِهٖ اَبَدًا وَالْعَرَبُ الْيَوْمَ وَاِنْ كَانُوْا قَلِيْلًا فَهُمْ كَثِيْرُوْنَ بِالْاِسْلَامِ وَعَزِيْزُوْنَ بِالْاِجْتِمَاعِ فَكُنْ قُطْبًا وَّاسْتَدِرِ الرَّحٰى مِنَ الْعَرَبِ وَاَصْلِهِمْ دُوْنَكَ نَارَ الْحَرْبِ فَاِنَّكَ اِنْ شَخَصْتَ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ انْتَقَضَتْ عَلَيْكَ الْعَرَبُ مِنْ اَطْرَافِهَا وَاَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ مَا تَدَعُ وَرَاءَكَ مِنَ الْعَوْرَاتِ اَهَمَّ اِلَيْكَ غَدًا يَقُوْلُوْا هٰذَا اَصْلُ الْعَرَبِ فَاِذَا قَطَعْتُمُوْهُ اِسْتَرَحْتُمْ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ اَشَدَّ لِكَلْبِهِمْ عَلَيْكَ وَطَمَعِهِمْ فِيْكَ وَاَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ مَسِيْرِ الْقَوْمِ اِلٰى قِتَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ هُوَ اَكْرَهُ لِمَسِيْرِهِمْ مِنْكَ وَهُوَ اَقْدَرُ عَلٰى

تَغْيِيْرِ مَا يَكْرَهُ وَاَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ عَدَدِهِمْ فَاِنَّا لَمْ لَكُنْ نُقَاتِلَ فِيْمَا مَضٰى بِالْكَثْرَةِ وَاِنَّمَا كُنَّا نُقَاتِلُ بِالنَّصْرِ وَالْمَعُوْنَةِ"۔

''جناب امیر علیہ السلام کا کلام ہے حضرت عمر بن خطاب سے جب کہ انہوں نے جناب امیر سے مشورہ لیا ایران کی لڑائی میں خود اپنے جانے کے متعلق بہ تحقیق اس کام کی شکست کثرت لشکر و قلت لشکر سے نہیں ہے اور وہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے (سب پر) غالب کیا اور یہ اس کا لشکر ہے جس کو اس نے مہیا کیا اور بڑھایا یہاں تک کہ پہنچا جہاں تک کہ پہنچا اور طلوع ہوا اور ہم لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کا پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کا مددگار ہے اور قیتم بالامر یعنی خلیفہ کی وہ حیثیت ہوتی ہے جو ہار کے دانوں میں دھاگے کی ہوتی ہے کہ وہ دھاگا ان سب دانوں کو جمع کیے ہوئے اور ملائے ہوئے رہتا ہے اگر دھاگہ کٹ جائے تو سب دانے منتشر اور متفرق ہو جاتے پھر کبھی اپنی پہلی وضع پر جمع نہیں ہوتے اہل عرب آج اگرچہ کم ہیں مگر اسلام کے سبب سے کثیر ہیں اور باہمی اتحاد کے باعث باعزت ہیں۔ پس آپ قطب بن جائیے اور چکی کو عرب سے گردش دیجئے اور دوسرے لوگوں کو آتش حرب میں ڈالیے خود نہ بڑھیے کیونکہ اگر آپ اس سرزمین (مدینہ) سے اٹھے تو تمام عرب ہر چہار طرف سے آپ پر (پر دانوں کی طرح) ٹوٹ پڑیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ مدینہ خالی ہو جائے گا اور آپ اپنے پیچھے جن مقامات کو بے حفاظت چھوڑ دیں گے وہ سامنے کی لڑائی سے زیادہ اہم ہو جائیں گے (پھر دوسری بات یہ ہے) کہ عجمی لوگ جب آپ کو کل میدان جنگ میں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ شخص عرب کی جڑ ہے اگر اس کو کاٹ ڈالو گے تو ہمیشہ کے لیے آرام پا جاؤ گے لہذا یہ خیال ان کے حملے کو سخت اور ان کی امیدوں کو قوی کر دے گا۔ باقی رہا یہ کہ جو آپ نے ذکر کیا کہ فوج عجم مسلمانوں کے قتال کے لیے روانہ ہو چکی ہے تو اللہ سبحانہ کو ان کی یہ روانگی آپ سے زیادہ ناپسند

ہے اور وہ جس چیز کو ناپسند کرے اس کے بدل دینے پر قادر ہے اور جو آپ نے ان کی کثرت بیان کی تو بات یہ ہے کہ ہم لوگ زمانہ گزشتہ میں اپنی کثرت کے باعث قتال نہ کرتے تھے بلکہ خدا کی مدد پر بھروسہ کرکے لڑتے تھے۔"

امام چہارم جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس خطبہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جس محبت والفت کا اظہار فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت عمر کا دین اللہ کا دین اور ان کی جماعت اللہ کا لشکر ہے

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دین کو اللہ کا دین اور ان کے لشکر کے خدا کا لشکر فرمانا۔(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جماعت میں اپنی ذات مبارک کو بھی شامل کرکے فرمایا کہ ہم لوگوں سے خدا نے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا۔(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات والاصفات کو مسلمانوں کا نظام فرمایا اور فرمایا کہ یہ نظام آپ کے بعد قیامت تک پھر کبھی نہ ہوگا۔اس لیے آپ قیم بالامر ہیں (۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے عربوں کو باوجود قلت کے بوجہ اسلام کے کثیر اور بوجہ باہمی اتحاد کے باعزت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک باہمی رنج وعداوت کے سب قصے غلط اور خودتراشیدہ ہیں۔(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں جانے سے یہ کہہ کر روکا کہ آپ کے بعد یہاں کا انتظام خراب ہوجائے گا اور دشمن لڑائی میں بڑی کوشش کریں گے۔اس خیال سے کہ آپ کے بعد ان کو ہمیشہ کیلئے چین مل جائے گا۔(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کی جاں نثاری اور محبت کو بیان فرمایا۔(۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی شکست اور ان کے دشمنوں کی فتح کو خدا کا ناپسندیدہ اور مکروہ امر فرمایا (۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمانہ گزشتہ کے غزوات اور ان کو خدا کے الطاف و عنایات کی یاد دلاکر تسکین دی۔

شرف دامادی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا جو حضرت فاطمہ کے بطن مبارک سے تھیں یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینا ایک تاریخی واقعہ ہے کوئی روایت نہیں اعلیٰ ترین مستند کتابوں میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے۔ سُنّیوں کی سب سے بڑی مستند کتاب ''صحیح بخاری'' کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب'' میں اس نکاح کا تذکرہ اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ چادریں مدینے کی بعض عورتوں کو تقسیم کیں۔ ایک نفیس چادر بچ گئیں تو کسی نے ان سے کہا کہ:

اَعْطِ ھٰذَا ابْنَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّتِیْ عِنْدَکَ یُرِیْدُوْنَ اُمَّ کُلْثُوْمٍ بِنْتَ عَلِیٍّ۔

''یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو جو آپ کے نکاح میں ہیں دے دیجئے۔ مراد اس سے ام کلثوم بنت علی ہیں''۔

مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول نہ کیا اور آپ نے فرمایا کہ نہیں اس چادر کو حق دار ام سلیط صحابیہ میں جو غزوات نبویہ میں مجاہدوں کو پانی پلایا کرتی تھیں در حقیقت یہ چادر حضرت ام کلثوم کو دینا گویا اپنے ہی گھر میں رکھ لینا تھا۔ اور یہ بات فاروقی زہد و عدالت کے خلاف تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

یُرِیْدُوْنَ اُمَّ کُلْثُوْمٍ کَانَ عُمَرُ قَدْ تَزَوَّجَ اُمَّ کُلْثُوْمٍ بِنْتَ عَلِیٍّ وَاُمُّھَا فَاطِمَۃُ وَلِھٰذَا قَالُوْا لَھَا بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَتْ قَدْ وَلَدَتْ فِیْ حَیَاتِہٖ وَھِیَ اَصْغَرُ بَنَاتِ فَاطِمَۃَ عَلَیْھَا السَّلَامُ۔

''ام کلثوم بنت علی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تھا۔ ام کلثوم کی ماں

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں اسی وجہ سے لوگوں نے ان کو رسول اللہ کی صاحبزادی کہا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں پیدا ہوئی تھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سب
سے چھوٹی لڑکی تھیں"۔

نیز کتاب کافی میں تو ایک خاص مستقل باب اس عنوان سے ہے باب تَزْوِیجِ
اُمِّ کُلْثُوْمٍ اسی باب کی دو ایک روائتیں ملاحظہ ہوں۔

فروع کافی جلد دوم صفحہ ۱۴۱ میں ہے:

عَنْ زَرَارَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ تَزْوِیْجِ اُمِّ کُلْثُوْمٍ فَقَالَ ذَالِكَ فَرَجٌ غُصِبْنَاهُ۔

زرارہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نکاح ام کلثوم کے متعلق روایت کیا ہے
کہ امام نے فرمایا وہ ایک شرمگاہ تھی جو ہم سے چھین لی گئی۔

ایک دوسری روایت اسی صفحہ میں اور ہے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السلَامُ قَالَ لَمَّا خَطَبَ اِلَیْهِ قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّهَا صَبِیَّةٌ قَالَ فَلَقِیَ الْعَبَّاسَ فَقَالَ لَه' مَا لِیْ بَاسٌ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ خَطَبْتُ اِلَی ابْنِ اَخِیْكَ فَرَدَّنِیْ اَمَادَ اللّٰهِ لَاعُوْدَنَّ زَمْزَمَ وَلَا اَدْعُ لَکُمْ مُکْرَمَةً اِلَّا هَدَمْتُهَا وَلَاُقِیْمَنَّ عَلَیْهِ شَاهِدَیْنِ بِاَنَّه' سَرَقَ وَلَا قْطَعُنَّ یَمِیْنَه فَاَتَاهُ الْعَبَّاسُ فَاَخْبَرَه' وَسَاَلَه' اَنْ یَجْعَلَ الْاَمْرَ اِلَیْهِ فَجَعَلَه' اِلَیْهِ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب ام کلثوم کے لئے حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کو پیغام دیا تو امیر المومنین نے فرمایا کہ وہ ابھی کمسن بچی ہے امام
فرماتے ہیں کہ پھر عمر، عباس سے ملے اور ان سے کہا کیا مجھ میں کوئی عیب ہے؟ عباس
نے کہا، یہ کیا بات ہے؟ تو عمر نے کہا میں نے تمہارے بھتیجے علی کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔
انہوں نے مجھ سے انکار کر دیا۔ اللہ کی قسم میں زمزم کی تولیت تم سے واپس لے لوں گا

اور تم لوگوں کی عزت کی کوئی چیز باقی نہ رکھوں گا اور علی پر دو گواہ بناؤں گا کہ انہوں نے چوری کی اور ان کا داہنا ہاتھ کٹوا دوں گا پس عباس علی کے پاس آئے اور یہ خبر ان سے بیان کی اور ان سے درخواست کی کہ اس کام کا اختیار مجھے دے دو۔ چنانچہ امیر المومنین نے ان کو اختیار دے دیا"۔

نیز فروع کافی کی اسی جلد کے صفحہ ۳۱۱ میں ہے:

عَنْ سُلَیْمَانَ اِبْنِ خَالِدٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰہ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ امْرَاَۃٍ تُوُفِّیَ عَنْھَا زَوْجُھَا اَیْنَ تَعْتَدُّ فِی بَیْتِ زَوْجِھَا اَوْ حَیْثُ شَاءَ تْ قَالَ بَلْ حَیْثُ شَاءَ تْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَلِیًّا صَلوٰتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ لَمَّا مَاتَ عُمَرُ اَتیٰ اُمَّ کُلْثُوْمٍ فَاَخَذَ بِیَدِھَا فَانْطَلَقَ اِلٰی بَیْتِھَا۔

یعنی سلیمان بن خالد سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک عورت کے متعلق پوچھا کہ جس کا شوہر مر گیا تھا کہ وہ کہاں عدت بیٹھے؟ اپنے کے گھر یا جہاں چاہے؟ امام نے فرمایا جہاں چاہے اس کے بعد فرمایا تحقیق علی رضی اللہ عنہ عمر کی وفات کے بعد کلثوم کے پاس گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے آئے"۔

یہ روایات اصول اربعہ میں جو کتاب سب سے مستند ہے اسی کی ہیں۔ ان تینوں روایات سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ نکاح ہوا تھا۔ اب رہا یہ کہ نکاح جبرا ہوا تھا جیسا وہ اوپر کی روایتوں میں بیان ہوا تو اس کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ضمیمہ محض راویوں کی خوش اعتقادی کا نتیجہ ہے۔

حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہم تھیں

اب ایک بات رہ گئی یعنی حضرت ام کلثوم زوجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بنت علی ہونا تو ثابت ہو گیا مگر بنت فاطمہ ہونا ثابت نہ ہوا۔ لہٰذا اس کا ثبوت بھی ملاحظہ فرمایئے۔

تاریخ طراز ند (جس کا مصنف مورخ ناسخ التواریخ کا خلف الرشید اور رکن سلطنت ایران تھا) کا ایک مستقل باب یہ ہے۔ حکایت تزویج ام کلثوم با عمر بن خطاب" یہ باب تاریخ مذکور مطبوعہ ایران صفحہ ۴۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۶۷ پر ختم ہوا۔ اسی باب کے چند منقولات ملاحظہ ہوں:

جناب ام کلثوم کبری دختر فاطمہ زہرا در سرائے عمر بن خطاب بود داز وے فرزند بیادرد چنانکہ مذکور گشت و چوں عمر قتل شد۔ محمد بن جعفر بن ابی طالب اورا در حبالۂ نکاح در آورد"۔

جناب ام کلثوم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی بیٹی عمر بن خطاب کے گھر میں تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی اولاد بھی ہوئی جیسا کہ بیان ہو چکا اور جب عمر قتل کیے گئے تو محمد بن جعفر بن ابی طالب ان کو اپنے نکاح میں لائے"۔

پھر تاریخ میں ایک بحث یہ کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی صاحبزادیوں کی اولاد بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس بحث میں لکھا ہے:

اما گفتہ اند از خصائص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ فرزندان فاطمہ سلام اللہ علیہا با نحضرت نسبت دہند لاکن در دختران دخترش ایں عنوان را جاری نداشتہ اند پس جریان امر در حق ایشاں بقانون شرع است دریں کہ ولد در نسب یا پدری رود و نہ بمادر بہمیں سبب گویند پسر شریف را اگر پدرش شریف نباشد۔ شریف نمی خوانند۔ پس فرزندان فاطمہ بہ رسول خدا منسوب و اولاد حسنین کریمین بایشاں و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منسوب باشند و فرزندان خواہران ایشاں زینب خاتون و ام کلثوم بہ پدران خود عبداللہ بن جعفر بن عمر بن خطاب نسبت برند نہ بمادر نہ برسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم زیرا کہ ایشاں فرزندان دختر بنت آنحضرت ہستند نہ فرزندان دخترش"۔

"لیکن علماء نے کہا ہے کہ یہ خصوصیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ حضرت فاطمہ

رضی اللہ عنہا کی اولاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہتے ہیں لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دختر کی دختر کے حق میں یہ مسئلہ جاری نہیں رکھا گیا ہے ان کے حق میں وہی عام حکم ہے جو قانون شرع کے موافق ہے کہ اولاد کا نسب باپ کی طرف سے لیا جاتا ہے نہ ماں کی طرف سے۔ اسی وجہ سے اگر کسی شخص کا باپ شریف نہ ہو تو اس کو شریف نہیں کہتے۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد تو رسول خدا کی اولاد کہی جائے گی اور حسنین کی اولاد حسنین کی اور رسول خدا کی اولاد کہی جائے گی۔ اور حسنین کی بہنوں یعنی زینب اور ام کلثوم کی اولاد اپنے باپ عبداللہ بن جعفر اور عمر بن خطاب کی طرف منسوب ہوگی نہ اپنی ماں کی طرف اور نہ رسول خدا کی طرف کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی کی لڑکی کی اولاد ہیں نہ آپ کی لڑکی کے لڑکوں کی''۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح غالباً اسی لئے کیا کہ یہ ایک واقعہ کی حیثیت اختیار کر کے تاریخ عالم میں ثبت رہے گا۔ واقعی اس نکاح نے تمام ساختہ و پرداختہ افسانوں کو خاک میں ملا دیا۔ کیونکہ اس نکاح سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مومن مخلص ہونا بھی ثابت ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اور ان کے درمیان کسی قسم کی رنجش و عداوت نہ تھی بلکہ باہم نہایت خوشگوار تعلقات تھے۔ بعض لوگ اس نکاح کے متعلق سخت حیران ہیں کہ کیا تاویل کریں۔ کوئی صاحب تو فرماتے ہیں کہ یہ نکاح جبراً ہوا تھا جیسا کہ کافی کی روایات میں ہے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ام کلثوم بنت ابوبکر تھیں جن کا نکاح حضرت عمر سے ہوا تھا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو اس میں کیا اہمیت تھی جو امام المحد ثین نے اس کا ایک خاص باب قائم کیا۔ دوسرے یہ کہ امام جعفر صادق یہ کیوں کہتے کہ یہ شرمگاہ ہم سے غصب کی گئی۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بزور اعجاز ایک جنیہ کو بشکل ام کلثوم متشکل کر کے حضرت عمر کے نکاح میں دے دیا اور اصلی ام کلثوم کی حضرت عمر کی زندگی میں بھی لوگوں کی نظر سے غائب

رکھا۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں مگر کوئی بات بنائے نہیں بنتی یہ نکاح واقعات قطعیہ میں سے ہے۔ جن سے مجتہدین نے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا ہے۔ چنانچہ مسالک شرح شرائع الاسلام میں جو مشہور و مستند فقہ کی کتاب ہے لکھا ہے:

یَجُوْزُ نِکَاحُ الْعَرَبِیَّةِ بِالْعَجَمِیِّ وَالْھَاشِمِیَّةُ لِغَیْرِا لھَا شِمَیِّةِ کَمَا زَوَّجَ عَلِیٌّ بِنْتَہٗ اُمَّ کُلْثُوْمٍ مِنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ۔

عربی عورت کا نکاح عجمی مرد کے ساتھ اور ہاشمی عورت کا نکاح غیر ہاشمی مرد کے ساتھ جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی دختر ام کلثوم کا نکاح عمر بن خطاب کے ساتھ کیا تھا"۔



تصریحات

صحابہ کرام کی آپس میں دوستی

حضرت علی کی خلفائے ثلاثہ سے دوستی ومحبت

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں کے نام جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا دوسری بیبیوں کے بطن سے تھے۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کے ناموں پر رکھے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے صاحبزادے ابوبکر وعمر وعثمان ومیدان کربلا میں شہید ہوئے۔ (جلاء العیون مترجم جلد دوم صفحہ ۴۸۰ سطر ۱۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص نہ تھی

شیر خدا علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اپنے اس خطبہ میں اپنی خلافت کے منصوص نہ ہونے کا اظہار فرمایا ہے:

وَمِنْ خُطْبَةٍ لَه' عَلَيْهِ اِسلام لَمَّا اُرِيْدُ عَلَى الْبَيْعَةِ بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ دَعُوْنِىْ وَالْتَمِسُوْا غَيْرِىْ فَاِنَّا مُسْتَقْبِلُوْنَ اَمْرًا لَه' وَجُوْهٌ وَاَلْوَانٌ لا تقوم لَه' الْقُلُوْبُ وَلَا تثبتُ عَلَيْه الْعُقُولُ وَاِنَّ الْاٰفَاقَ قَدْ اَغَامَتْ وَالْمُحَجَّة قَدْ تَنكرَتْ وَاعْلَمُوْا اِنْ اجبتكُمْ رَكِبْتُ بِكُمْ مَا اَعْلَمُ وَلَمْ اَسْمَعْ اِلىٰ قَوْلِ الْقَائِلِ وَعَتْبِ الْعَاتِبِ وَاِنْ تَرَكْتُمُوْنِىْ فَاَنَا كَاَحَدِ وَلَعَلِّىْ اَسْمَعُكُمْ وَاَطْوَعُكُمْ لِمَنْ وَلَّيْتُمُوْهُ اَمْرَكُم وَاَنَا لَكُمْ وَزِيْرًا خَيْرٌ لَّكُمْ مِنِّىْ اَمِيْرًا۔

جناب امیر علیہ السلام کا خطبہ ہے۔ جب کہ آپ سے بعد قتل عثمان کے بیعت کی خواہش کی گئی مجھے چھوڑ دو اور میرے سوا کسی اور کو تلاش کرلو۔ اس لیے کہ ہمارا مستقبل ایسا ہے کہ اس میں طرح طرح کے فتنے ہیں۔ جن میں دل قائم نہ رہیں گے اور عقلیں بجا نہ رہیں گی۔ مطلع غبار آلود ہو چکا ہے اور راستہ اجنبی ہو گیا ہے، خوب سمجھ لو کہ اگر تمہاری درخواست قبول کرلوں گا۔ تو پھر اپنے علم کے موافق تم پر حکمرانی کروں گا اور کسی کہنے والے کی بات یا کسی کی ناخوشی کی سماعت نہ کروں گا اور اگر تم مجھے چھوڑ دو، تو میں تم میں سے ایک کے مثل رہوں گا اور جس کو تم اپنا حاکم بناؤ شاید میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا اور (یاد رکھو) میرا وزیر ہونا تمہارے لیے زیادہ مفید ہے۔ میرے خلیفہ ہونے سے''۔

جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے اس خطبہ میں اس امر کی وضاحت فرمادی کہ میری خلافت منصوص نہیں ہے کیونکہ اگر ان کی خلافت منصوص ہوتی، تو آپ یہ نہ فرماتے:

''جس کو تم خلیفہ بنالو گے میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امامت نبوت کے ہم پلہ نہیں ہوتی اگر امامت نبوت کے ہم مرتبہ ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ نہ فرماتے:

''مجھے چھوڑ دو کسی اور کو خلیفہ بنالو''۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں یہ بھی واضح فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اب خیر نہیں رہی۔ فتنوں کا زمانہ شروع ہو چکا ہے۔

معصوم صرف انبیاء کرام ہیں

انبیاء کرام کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اہلسنت کے اس عقیدہ کی تائید و توثیق فرمائی ہے۔ بلکہ

اپنے متعلق بھی یہ وضاحت کی ہے کہ میں بھی معصوم نہیں ہوں۔

فَاِنِّی لَسْتُ فِیْ نَفْسِیْ بِفَوْقِ اِنْ اُخْطِی وَلا اٰمن مِنْ ذالِكَ مِنْ فعل۔ (نہج البلاغہ جلد اوّل صفحہ ۴۶۳)

میں اپنے نفس میں خطا سے بالاتر نہیں ہوں اور نہ اپنے نفس میں خطا کرنے سے بے خوف ہوں"۔

صرف محبت باعث نجات نہیں

شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ صرف محبت ہی باعث نجات نہیں۔

سَیُهْلَكَ فِیَّ صِنفان[1] مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یَذْهَبُ بِهِ الْحُبُّ اِلیٰ غَیْرِ الْحقِّ وَمُبغِضٌ مُفْرِطٌ یَذْهَبُ بِهِ الْبُغضُ اِلیٰ غَیر الْحَقِّ وَخَیْر النّاسِ حَالاً المنط والاَوْسَطُ اَلْزِمُوْهُ وَالزموا اسوادَ الْاَعظَمَ فَاِنَّ یَدَاللّٰهِ عَلَی الجماعت وَاِیاکُم والفِرقَةَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دو طبقے میرے معاملہ میں ہلاک ہوں گے۔ ایک حد سے بڑھ کر محبت کرنے والا۔ اسے میری محبت امر ناحق کی طرف لے جائے گی اور ایک حد سے زیادہ بغض رکھنے والا اسے بغض ناحق کی طرف لے جائے گا۔ تم اسے

---

[1] یہ جملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعدد سندوں سے بہ الفاظ مختلفہ منقول ہوا ہے۔
چنانچہ نہج البلاغہ کی جلد دوم کے ص ۲۵۴ میں ایک روایت ان الفاظ میں ہے۔
سَیُهْلَكَ فِیَّ رَجُلانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ وَبَاهِتٌ مُفتَرٍ "یعنی میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت کرنے والا حد سے بڑھ جانے والا اور دوسرا بہتان لگانے والا مفتری"۔ اور اسی صفحے میں ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔
هَلَكَ فِیَّ رَجُلانِ مُحِبٌّ غَالٍ وَمُبغِضٌ قَالٍ یعنی میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہو گئے۔ ایک محبت کرنے والا' جو محبت میں زیادتی کرے...... دوسرا بغض رکھنے والا' نفرت کرنے والا۔ تعداد اسناد و اختلاف الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بار بار اس مضمون کا اعلان فرمایا۔

لازم پکڑو اور سوادِ اعظم بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔ بلاشبہ اللہ کا ہاتھ اس جماعت پر ہے خبردار تفرقہ اندازی سے بچتے رہنا"۔

چنانچہ نہج البلاغہ کی جلد دوم کے صفحہ ۲۵۴ میں ایک روایت ان الفاظ میں ہے:

سَیُھلکُ فِیْ رَجُلَانِ مُحِبٌ مُفْرِطٌ وَبَاھِتٌ مُفترٍ

یعنی میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوں گے ایک محبت کرنے والا حد سے بڑھ جانے والا اور دوسرا بہتان لگانے والا مفتری"۔

اور اسی صفحے میں ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ھَلَكَ فِیْ رَجُلَانِ مُحِبٌ کَمَالٍ ومُبغضٌ

یعنی میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوں گے ایک محبت کرنے والا، جو محبت میں زیادتی کرے......دوسرا بغض رکھنے والا، نفرت کرنے والا"۔

تعداد اسناد و اختلاف الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بار بار اس مضمون کا اعلان فرمایا:

فَاِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشَّیْطَان کَمَا اِنَّ الشَّاذَّ مِنَ الغَنَمِ لِلذِّئبِ اَلَا مَنْ دَعی اِلیٰ ھٰذا الشِّعار فاقتُلوہُ وَلَو کَانَ تَحْتَ عَمَامَتِی ھٰذِہٖ۔

(نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۲۶۱ خطبات علی)

کیونکہ جو انسان جماعت سے الگ ہو جاتا ہے، وہ شیطان کے حصہ میں جاتا ہے جیسے گلہ سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیے کا حصہ بنتی ہے، آگاہ ہو جاؤ، جو شخص تم کو جماعت سے الگ ہونے کی تعلیم دے اس کو قتل کر دینا اگرچہ وہ میرے اس عمامہ کے نیچے ہو"۔

اس فرمان ذی شان سے واضح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں غلو کرنے والے حق پر نہیں ہیں۔ نیز سوادِ اعظم ہی میں رہنے کی تاکید فرما کر یہ اشارہ فرمایا کہ جو

عقیدہ میرے متعلق سوادِ اعظم کا ہے۔ اسی کو اختیار کرو۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ جناب علی سے محبت ایمان کی نشانی ہے لیکن یہ محبت افراط و تفریط سے پاک ہونی چاہیے۔

جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثلٰثَةَ عَشَرَ فِرقَةً مِنَ الثلاثِ وَالسَّبعِينَ فِرقَةً كُلُّ هَا تَنتَحِلُ مُوَدَّتِي وَحُبِّي وَاحِدٌ مِنهَا فِي الْجَنَّةِ وهي النمط الاوسط واثنا عشرة فِي النَّار۔

(احتجاج طبری صفحہ ۱۳۴)

تیرہ فرقے تہتر فرقوں میں سے ایسے ہوں گے جو سب کے سب میری مؤدت و محبت کا اعتراف کریں گے مگر ان تیرہ میں سے صرف ایک جنت میں جائے گا اور وہی ہے جو درمیانی حالت میں رہا اور بارہ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔

جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے واضح فرما دیا کہ نجات پانے والا گروہ صرف وہ ہے جو میرے متعلق معتدل عقیدہ رکھے۔ نہ مجھے خدا کے مرتبہ پر پہنچائے اور نہ انبیاء کرام سے افضل و برتر قرار دے۔

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک اہم فیصلہ

مولائے کائنات سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اشتر نخعی کو آیہ مبارکہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کی تفسیر میں لکھا:

فَالرَّدُّ اِلَى اللّٰهِ الْاَخْذِ بِمُحْكَمِ كِتَابِهٖ وَالرَّدُّ اِلَى الرَّسُوْلِ الْاَخْذُ بِسُنَّتِهِ الْجَامِعَةِ غَيْرَ الْمُتَفَرِّقَةِ۔ (نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ ۹۶)

اللہ کی طرف لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب کی محکم آیتوں پر عمل کیا جائے اور رسول کی طرف لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کی اس سنت پر عمل کیا جائے، جو سب مسلمانوں کو جمع کردے، ان میں تفرقہ نہ ڈالیں''۔

کہا جاتا ہے کہ اہلسنّت و جماعت کا نام بعد میں گھڑ لیا گیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے اس خط سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اہلسنت و جماعت وہی گروہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جامعہ پر عمل کرے۔

ظاہر ہے کہ یہ کیفیت صرف اہلسنت و جماعت ہی کی ہے، چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اہلسنت و جماعت کی تعریف ان لفظوں سے فرمائی ہے۔

اَمَّا اَھْلُ الْجَمَاعَةِ فَاَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَاِنْ قَلُّوْا وَاَمَّا اَھْلُ السُّنَّةِ فَالْمُتَمَسِّکُوْنَ بِمَا سَنَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ (احتجاج طبری صفحہ ۸۴)

اہل جماعت میں ہوں اور جو لوگ میری اتباع کریں اگرچہ وہ کم ہوں اور اہلسنت وہ لوگ جو ان طریقوں پر قائم ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے جاری کیا"۔

دیکھیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر اہلسنت و جماعت کی حقانیت کو بیان فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات کی نشاندہی فرمائی ہے۔

خصال ابن بابویہ مطبوعہ ایران جلد دوم صفحہ ۴۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اُمَّتِیْ سَتَفْتَرِقُ عَلٰی اِثْنَتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً یُّھْلِكُ اِحْدٰی وَسَبْعُوْنَ وَیَتَخَلَّصُ فِرْقَةٌ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ تِلْكَ الْفِرْقَةُ قَالَ الْجَمَاعَةُ الْجَمَاعَةُ الْجَمَاعَةُ۔

بہ تحقیق میری امت ۷۲ فرقوں پر تقسیم ہو جائے گی ان میں سے ۷۱ فرقے ہلاک ہو جائیں گے صرف ایک فرقہ نجات پائے گا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ فرقہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا جماعت جماعت جماعت۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ

شہدائے کربلا کے سلسلہ میں امیر معاویہ کو بہت بدنام کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا

ہے کہ امیر معاویہ اہل بیت کے دشمن تھے۔ حالانکہ دشمن حیثیت سے ان کا دامن اس برائی سے ملوث نہیں۔

ملا باقر مجلسی جلاء العیون میں لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ بوقت رحلت یزید کو وصیت کر گئے تھے کہ:

لمنا امام حسین پس نسبت وقرابت اوبحضرت رسالت میدانی داد پارہ تن آنحضرت ست واز گوشت وخون آنحضرت پروردہ ست ومن میدانم کہ اہل عراق اورابسوائے خودخواہند بردو یارے اونخواہند کرد واورا تنہا خواہند گزاشت اگر براوظفر یابی حقوق حرمت اوراشناس ومنزلت وقرابت اورا باحضرت رسالت بیاد داراوراابکروہ ہائے او مواخذہ مکن وروابطے کہ من دیں مدت با او محکم کردہ ام قطع مکن وزنہار کہ باو آسیبے و مکروہے مرساں"۔ (جلاء العیون جلد دوم صفحہ ۴۲۱۔۴۲۲)

لیکن امام حسین پس ان کی نسبت وقرابت جناب رسالت سے تجھے معلوم ہے کہ وہ حضرت کے بدن کے ٹکڑے ہیں، انہیں کے گوشت وخون سے انہوں نے پرورش پائی ہے مجھے علم ہے کہ عراق والے ان کو اپنی طرف بلائیں گے اور ان کی مدد نہ کریں گے۔ تنہا چھوڑ دیں گے اگر ان پر قابو پالے تو ان کے حقوق عزت کو پہچاننا ان کا مرتبہ اور قرابت جو رسول سے ہے اس کو یاد رکھنا ان کے افعال کا ان سے مواخذہ نہ کرنا اور اس مدت میں جو روابط کہ میں نے ان سے مضبوط کیے ہیں اس کو نہ توڑنا اور خبردار ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا"۔

صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو یہ وصیت فرمائی:

اے پسر ہوس باز آرد خویشتن را نیک پائے کہ چوں در حضرت حق شوی۔ خون حسین بن علی در گردن نداشتہ باشی کہ ہیچ گاہ روئے آسائش دیدار نہ کنی ومو بد ومخلد

فرسائش عتاب وعذاب بینی۔

اے بیٹا! ہوس نہ کرنا اور خبردار جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو۔ تو تیری گردن میں حسین بن علی کا خون نہ ہو، ورنہ کبھی آسائش نہ دیکھے گا اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا''۔

پھر بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ، یہ حدیث سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے پروردگار! اس شخص سے برکت لے لے، جو میرے حسین علیہ السلام کو حرمت میں کمی کرے''۔

ایں بگفت واو را غشی فرا گرفت۔

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا اور ان کو غشی آ گئی۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ امیر معاویہ زبان سے کیا، اپنے قلم سے بھی امام حسین کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کو پسند نہ کرتے تھے۔ حالانکہ ان کو امام اپنے خط میں بہت کچھ برا بھلا لکھتے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک مرتبہ یزید اور عبداللہ نے ترغیب دی کہ آپ بھی ایسے ہی جواب دیجئے۔

معاویہ بخندید وگفت ہر دو تاں بخطا سخن کردید من در عیب حسین بن علی چہ سخن کنم واز مثل من کس روا نیست کہ از در باطل بہ عیب کسے سخن آغاز د مردماں بہ تکذیب او پر واز ندد چگونہ عیب کنم حسین را کہ سوگند با خدائے دروئے موضع عیب بدست نشود و خواستم بسوئے او مکتوب کنم واو را بہ وعید تہدید روانہ دیدم وقرع الباب لجاج نہ کردم۔

معاویہ ہنسے اور فرمایا تم دونوں نے غلط کہا ہے میں حسین بن علی کا کیا عیب بیان کروں مجھ جیسے کو کب درست ہے کہ کسی کی غلط عیب جوئی کر کے دوسروں سے تکذیب کرائے۔ حسین کا عیب کس طرح کہوں کہ واللہ ان میں کوئی عیب میں نہیں پاتا۔ چاہتا تھا کہ ان کو تہدید آمیز خط لکھوں لیکن مناسب نہ سمجھا اور کوئی الجھن پیدا نہ کی''۔

ناسخ التواریخ میں ہے:

بالجملہ سخنے کہ برحسین علیہ السلام ناگوار باشد تحریر نہ کرد۔

الغرض ایسی کوئی بات جو امام حسین کو ناگوار خاطر ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ لکھی"۔ (ناسخ التواریخ جلد صفحہ ۸۷)

ادب ولحاظ کے علاوہ امیر معاویہ امام حسین کی خدمت بھی کرتے تھے۔

دمقرر داشت کہ ہر سال ہزار ہزار درہم از بیت المال بہ حضرت اوبرندو بیرون ایں مبلغ ہموارہ خدمتش راہ بہ عروض و جوائز مکاثرہ متواتر میداشت۔ (ایضا)

اور معاویہ کا معمول تھا کہ ہر سال ہزار ہزار درہم بیت المال سے امام کی خدمت میں بھیجتے اس کے علاوہ بیش بہا تحفے تحائف بھی بکثرت روانہ کرتے تھے"۔

ایک مرتبہ یمن کا خراج امیر شام کے پاس اونٹوں پر بار ہو کر جا رہا تھا۔ جب مدینہ میں پہنچا تو سب مال خراج امام حسین نے ضبط کر کے اپنے اہل بیت اور احباب میں تقسیم فرما دیا اور امیر معاویہ کو یہ خط لکھا کہ:

"اما بعد ملک یمن سے ایک قافلہ اونٹوں کا ہماری طرف گزرا جن پر مال، عنبرو خوشبو تمہارے واسطے لیے جا رہا تھا۔ تاکہ خزانہ دمشق میں داخل کرے۔ یا تمہارے رشتہ دار کام میں لائیں چونکہ مجھ کو ضرورت تھی اس واسطے میں نے لے لیا"۔ والسلام

امیر معاویہ نے جواب دیا:

اگر آں (قافلہ شتراں) را ترک کردی تا بہ من آوردند آں چہ بہرہ و نصیبہ تو بود دریغ نہ داشتم لیکن گمان مے کنم اے برادر زادہ کہ ترا خیالات مدارات و مضافات نیست و در زمان من بر تو صعب نمی افتد بر قدر و منزلت تو دانم و معفو میدارم۔

اگر آپ اونٹوں کا قافلہ مجھ تک آنے دیتے تو جو کچھ آپ کا حصہ ہوتا میں اس سے دریغ نہ کرتا، لیکن میں خیال کرتا ہوں اے میرے بھتیجے آپ رواداری نہیں ہیں اور

جب تک میرے دم میں دم ہے آپ کو تکلیف نہ ہوگی۔ کیوں کہ میں آپ کی قدر ومنزلت کو جانتا ہوں اور آپ کو اس اقدام پر بھی معاف کرتا ہوں"۔

حتی کہ وہ لوگ جو شام میں جا کر امیر معاویہ کو برا بھلا کہہ کر ستاتے تھے امیر معاویہ ان کی بھی خاطر تواضع اور مالی خدمت کرتے تھے۔

ناسخ التواریخ میں ہے:

شیعان علی سفر شام مکیر دند معاویہ را بہ سب وشتم مے آزروند بایں ہمہ عطائے خود را، از بیت المال مے گرفتند و بہ سلامت میرفتند۔

شیعان علی ملک شام کا سفر کرتے اور معاویہ کو برا بھلا کہہ کر ستاتے تھے باوجود اس کے ان کے بیت المال سے عطیے لیتے اور صحیح سلامت واپس جاتے۔

غور کیجئے! امیر معاویہ یزید کو یہ وصیت کر رہے ہیں کہ ان کی تعظیم وتوقیر کرنا بوقت مصیبت ان کی مدد کرنا ان کی قرابت رسول کا خیال رکھنا اور جو رابطہ میں نے امام سے قائم کیا ہے تم بھی اس کو قائم رکھنا، اب اگر یزید اس وصیت پر عمل نہ کرے تو اس میں امیر معاویہ کا کیا قصور؟

علاوہ ازیں امیر معاویہ اور امام حسین کے درمیان کوئی دشمنی نہ تھی۔ امیر معاویہ اہل بیت کا انتہائی احترام کرتے تھے۔

ان تاریخی حقائق کے ہوتے ہوئے بھی امیر معاویہ کو بدنام کرنا کہاں کی دیانت ہے؟

حضرت رُقیہ واُم کلثوم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت اُم کلثوم اور رُقیہ حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر سے تھیں، گو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ دونوں صاحبزادیاں حضرت خدیجہ کے بطن سے حضور کی حقیقی صاحبزادیاں تھیں۔ جیسا کہ کتب معتبرہ سے ثابت ہے۔

لیکن اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حقیقی صاجزادیاں نہ تھیں، تو جب حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ سے نکاح فرمایا تو ان صاجزادیوں کے حضور ﷺ سوتیلے والد ہوئے۔ تو ان کی ذمہ داری بھی حضور ﷺ پر آ گئی۔ تو قابل غور بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کو تو یہ بھی گوارا نہیں ہو سکتا کہ کسی مسلمان کی لڑکی کافر یا منافق کے نکاح میں آئے۔ پر حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقدِ نکاح میں ان دونوں کو کیوں دے دیا؟

حضور ﷺ کا اپنے اختیار سے دونوں صاجزادیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینا ان کے مومن کامل اور متقی ہونے کی دلیل ہے۔

کیونکہ چاہے کوئی کیسا ہی گیا گزرا انسان ہی کیوں نہ ہو وہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی سوتیلی بیٹیاں کسی کافر یا منافق کے نکاح میں آئیں۔ چہ جائیکہ حضور سیّد المرسلین ﷺ کی ذات پاک۔

پھر غضب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو روایات تصنیف کی گئی ہیں وہ ایسی ہیں جن سے حضرت عثمان کی فضیلت کی نفی تو نہیں ہوتی۔ خود حضور اکرم ﷺ پر سنگین الزام عائد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ملا باقر مجلسی حیات القلوب میں لکھتے ہیں۔

حضرت جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ آیا حضور ﷺ نے اپنی دختر کا نکاح حضرت عثمان سے کیا، انہوں نے جواب دیا کہ ہاں،

پھر سوال ہوا کہ:

چوں دختر آنحضرت را شہید کرد باز دخترے دیگر داد حضرت فرمود کہ بلے۔

''جب حضرت عثمان نے حضور ﷺ کی پہلی صاجزادی کو شہید کر دیا، تو پھر بھی حضور ﷺ نے دوسری کا نکاح ان سے کر دیا۔

حضرت جعفر صادق نے فرمایا ہاں

اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے کجاوہ کی لکڑی

سے حضرت رقیہ کو مار مار کر زخمی کر دیا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو تین مرتبہ اطلاع دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلم کی خبر پہنچائی مگر حضور ﷺ نے ایک نہ سنی۔ آخر جب انہوں نے چوتھی بار اپنی جان کے جانے کی اطلاع دی تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو لائیں۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو لائے تو:

حضرت دید کہ پشتش تمام سیاہ و مجروح گردیدہ است۔

حضور ﷺ نے دیکھا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی پشت سیاہ اور مجروح ہے"۔

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۹۱،۵۹۲)

پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا انہی زخموں کی وجہ سے شہید ہو گئیں۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (معاذ اللہ) کجاوہ کی لکڑی سے ان کو پہنچائے تھے۔

(حیات القلوب جلد ۲ الصفحہ ۵۹۱)

خدا کے لیے غور کیجئے یہ روایت تو تصنیف اس لیے کی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جابر و ظالم قرار دیا جائے۔ (معاذ اللہ) لیکن سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کیسے گوارا کیا کہ آپ کی صاحبزادی اتنی تکلیف میں ہوں اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلم و ستم کی بار بار اطلاع دیں اور حضور ﷺ کچھ پرواہ نہ فرمائیں اور پھر لطف یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلم و ستم کی وجہ سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا شہید ہو جائیں۔ اور حضور ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کا قصاص نہ لیں۔ بلکہ یہ فرمائیں کہ اگر میری اور بھی کوئی صاحبزادی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے کرتا۔ ایک عام انسان بھی اپنی بیٹی پر خواہ وہ سوتیلی ہی کیوں نہ ہو' اتنے ظلم و ستم کے بعد خاموش نہیں رہ سکتا۔ چہ جائیکہ وہ ہستی مقدس جو رحمۃ للعالمین ہے جو اپنوں ہی پر نہیں، بلکہ غیروں پر بھی ظلم و ستم برداشت نہیں کرتے۔ وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی دادرسی نہ فرمائیں

؟ کیا ان باتوں کا کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تصور بھی کر سکتا ہے۔

الغرض حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عقد میں دینا۔ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کامل الایمان مخلص مسلمان تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش تھے۔ اگر معاذ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ کیفیت ہوتی جو روایت بالا میں بیان کی گئی ہے۔ تو یہ بالکل واضح بات ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پر اس قدر ظلم و ستم کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کبھی نہ فرماتے کہ اگر میری اور بھی کوئی صاحبزادی ہوتی، تو اسکا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے کرتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

بعض لوگ ان افراد کو منافق اور بے دین کہتے ہیں جنہوں نے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ خصوصاً امیر معاویہ کو تو وہ بہت ہی برا بھلا کہتے ہیں۔ اگر ایمان و دیانت سے غور کیا جائے تو اسکا فیصلہ خود حضرت علی مرتضی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشاد سے ہو سکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک فرمان تمام شہروں میں جاری فرمایا اس مکتوب میں اپنے اور اہل صفین کے درمیان نزاع کی کیفیت ان الفاظ سے بیان فرمائی ہے اور ابتداء اس واقعہ کی یہ ہوئی کہ ہم اور اہل شام کا گروہ مقابل ہوئے۔

وَالظَّاهِرُ اَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتَنَا فِي الْاِسْلَامِ وَاحِدٌ لَانَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ وَلَايَسْتَزِيْدُوْنَنَا فَالْاَمْرُ وَاحِدٌ اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بَرِيْءٌ۔

اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا رب بھی ایک نبی بھی ایک اور دعویٰ ہمارا اسلام میں ایک نہ ہم بڑھانا چاہتے تھے' ان کو اللہ کے ساتھ ایمان اور رسول کی تصدیق میں نہ وہ ہم کو بڑھاتے تھے پس ہم دونوں کا معاملہ ایک تھا۔ مگر اس میں اختلاف پڑ گیا۔ خون

عثمان کی وجہ سے اور ہم اس سے بَری ہیں''۔

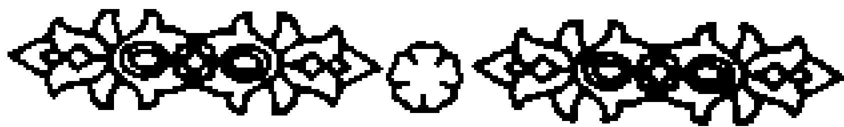
غور فرمایئے جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں جنگ صفین میں جو لوگ میرے مقابل آئے' وہ ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ہمارے بالکل برابر تھے۔ ہم سب کا ایک ہی معاملہ تھا۔ وہ بھی مخلص مومن اور مسلمان تھے اور ہم بھی۔ مگر ہوا یہ کہ صرف خون عثمان کی وجہ سے ہم میں اختلاف پڑ گیا اور نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ خدا کے لیے سوچیے کہ شیر خدا کے فیصلہ کے بعد بھی کسی اور کے فیصلہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نیز قرآن مجید میں فرمایا:

اِنَّ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوا۔

''اور مومنوں کے دو گروہ لڑیں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر وہ بغاوت پر اتر آئیں تو ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ باز آ جائیں پھر ان مومنین کے دونوں گروہوں میں اصلاح کرا دو۔ کیونکہ مومنین بھائی بھائی ہیں''۔ الخ

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں اس سے مراد اصحاب جمل تھے۔ جو بصرہ میں جناب امیر سے لڑے تھے۔ انہوں نے ہی امیر پر بغاوت کی تھی۔ (کافی کتاب الروضہ)

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری ارشاد سے بھی ثابت ہوا کہ اصحاب جمل اور اصحاب علی دونوں مومن تھے۔ جب قرآن دونوں فریق کو مومن قرار دے رہا ہے تو ایسی صورت میں اصحاب جمل کو منافق قرار دینا قرآن کی تکذیب ہے اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے ازروئے قرآن مومن ہیں تو حضرت خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو بطریق اولیٰ مومن و مسلمان قرار پائیں گے کیونکہ ان حضرات نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ نہیں کی۔



جناب سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تلوار نہ اٹھانے کی کیا وجہ تھی؟

یہ سوال کیوں پیدا ہوا اور جناب امیر نے کس کے مقابلہ میں تلوار نہیں اٹھائی تو قصہ یہ ہے کہ حضرات خلفاء ثلاثہ حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے متعلق کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خلافت غصب کر لی۔ فدک کھا گئے۔ قرآن میں تحریف کر دی۔ متعہ جیسی عظیم الشان عبادت کو حرام قرار دے دیا۔ نمازِ تراویح جیسے بدترین گناہ کو رواج دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جبراً بیعت لی گئی۔ معاذ اللہ

تو اب سوال پیدا ہوا کہ اگر خلفائے ثلاثہ ان جرائم کے مرتکب تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف تلوار کیوں نہ اٹھائی۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ کے خلاف میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ جس سے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں۔

اوّل یہ کہ خلفائے ثلاثہ امام برحق تھے اور ان کے خلاف مظالم کے جو افسانے بنائے گئے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

دوم یہ کہ باوجود قدرت کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تلوار نہ اٹھائی۔ اس نتیجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حرف آتا ہے کہ معاذ اللہ۔ آپ میں دینداری نہ تھی تمام دین اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتا دیکھتے رہے اور کچھ نہ بولے۔ چنانچہ اہلسنت پہلے نتیجے کو درست مانتے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف باوجود قدرت کے تلوار نہ اٹھانا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ جناب امیر کے نزدیک خلفائے ثلاثہ امام برحق تھے۔ لیکن یہ بات مخالفین صحابہ کو کیسے گوارا ہو سکتی تھی۔ اس لیے اس سوال کے جواب میں نہایت حیران و پریشان ہوئے

اور ہر ایک نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کوئی صاحب بھی حضرات ثلاثہ کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنگ نہ کرنے کی معقول وجہ نہ بتا سکا ہے اور نہ ان شاء اللہ العزیز بتا سکے گا۔ چنانچہ آج بھی جس کا جی چاہے کسی بڑے سے بڑے کے سامنے اس سوال کو پیش کر کے قدرت خداوندی کا تماشہ دیکھ لے۔

بہر حال سوال یہ ہے

جناب امیر نے خلفائے ثلاثہ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی کچھ لوگ جناب امیر کے تلوار نہ اٹھانے کی ظاہری وجہ بتاتے ہیں کہ

''جب تک مددگار نہ ہوں جنگ واجب نہیں اور علی علیہ السلام کے پاس روزگار نہ تھے''۔ (اخبار صداقت صفحہ نمبر ۱۰، ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

جواب (۱) اوّل: تو یہ بات کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد ہی سب لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طرفدار ہو جائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیزار؟ اور اگر یہ مان لیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہی ہو سکتی ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت علی کو سیاست و تدبر اور اہلبیت امامت سے بالکل بیگانہ قرار دیا جائے۔ (معاذ اللہ)

ثانیاً۔ یہ بات چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بے یار و مددگار تھے۔ اس لیے آپ نے تلوار نہیں اٹھائی۔ کتب معتبرہ سے اس کی بھی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۴۵ پر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہی حضرت عباس اور ابوسفیان جو تمام مکہ والوں کے سردار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کرنے کو آئے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں کیا اور حسب ذیل جواب دیا:

وَلُقْمَةٌ يَغَصُّ اٰكِلُهَا وَمُجْتَنِى الثَّمَرَةَ لِغَيْرِ وَقْتِ اِيْنَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ اَرْضِهٖ۔

یعنی: اور یہ (خلافت) ایک ایسا لقمہ ہے کہ حلق کو پکڑتا ہے اور پھل کو پختگی کے

وقت سے پہلے توڑنے والا اس شخص کی مثل ہے جو غیر کی زمین میں کاشت کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے اپنی خلافت سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ابھی میری خلافت کا وقت نہیں آیا۔ اس وقت میری خلافت کی کوشش کرنا ایسے ہے۔ جیسے پھل کو اس کے پکنے کے وقت سے پہلے توڑنا یا غیر ملک میں کھیتی کرنا۔

۲) جناب امیر کے ساتھ جوانان بنی ہاشم اور قبیلہ بنو حنیف بھی تھا۔ یہ لوگ محبان اہلبیت اور جان نثاران علی تھے۔ جیسا کہ مجالس المومنین مطبوعہ طہران صفحہ ۵۲ پر مسطور ہے۔

۳) سعد بن عبادہ جو انصار کے قبیلہ خزرج کا سردار تھا۔ وہ بھی جناب امیر کے ساتھ تھے اور سعد کی قوت کا یہ عالم تھا کہ خلفا ثلاثہ باوجود اپنی شان و شوکت کے سعد پر غلبہ نہیں پا سکتے تھے۔ (مجالس المومنین صفحہ ۱۰۱)

۴) ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ جناب امیر کے شریک تھے۔ جیسے خالد بن سعید۔ مقداد۔ ابوذر سلمان۔ بریدہ اسلمی عمار۔ ابوالہیثم بن بنہان۔ عثمان بن حنیف، خزیمہ بن ثابت۔ ابی بن کعب۔ ابوایوب انصاری۔ بلال۔ اسامہ بن زید۔ حضرت عباس مع تمام بنی ہاشم کے جن میں حضرت عباس کے چاروں صاحبزادے جعفر و حمزہ کی اولاد اور عقیل اور ان کی اولاد وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل تھی۔ قنبر اور جناب امیر کے چند غلام اور ان میں ہر ایک کے ساتھ دو چار آدمی تابعین میں سے تھے اور بنی ہاشم کے غلاموں کی بہت بڑی تعداد تھی حتی کہ بارہ ہزار کا لشکر جرار بھی جناب امیر کے ساتھ تھے۔ جن کو ملا باقر مجلسی نے محب اہلبیت اور خالص مخلص لکھا ہے۔ نیز یہ تصریح بھی کی ہے کہ اس بارہ ہزار کے لشکر میں سے آٹھ ہزار خاص مدینہ میں موجود ہے۔

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۸۸)

اب قارئین کرام ان معتبر مذہبی کتب کے حوالوں کو بغور پڑھیں اور پھر دیانت و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بے یار و مددگار تھے یا آپ کے ساتھ بارہ بارہ ہزار کے لشکر جرار بھی تھے۔ بہرحال ان حوالاجات سے اظہر من الشمس ہے کہ اگر جناب امیر لڑنا چاہتے تو اس وقت ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ ہوتی۔ مگر کہا یہ جا رہا ہے۔ ''جناب امیر تو بے یار و مددگار تھے''! اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس عصاءِ موسیٰ علیہ السلام بھی تھا!

اور لیجے ان مددگاروں اور جانثاروں کے ساتھ ساتھ جناب امیر کو اللہ عزوجل نے بڑے بڑے معجزے دے رکھے تھے۔ آپ کے قبضہ میں عصائے موسیٰ انگشتری سلیمان اور اسم اعظم بھی تھا۔ دیکھو اصول کافی صفحہ ۴۰ و صفحہ ۴۱۔ عصائے موسیٰ کو وہ اژدہا بنا سکتے تھے۔ انگشتری سلیمان کے ذریعہ تمام جنوں کی فوجیں مدد کے لیے آ سکتی تھیں اور اسم اعظم کے ذریعہ دشمن کو جلا کر خاکستر کیا جا سکتا تھا۔

یہ تھی جناب امیر کی روحانی طاقت!

جناب امیر کی ذاتی طاقت

اس کے علاوہ جناب امیر کی شجاعت ذاتی اور زورِ قوت کا یہ عالم تھا کہ تن تنہا تمام عرب کا مقابلہ کر سکتے تھے چنانچہ نہج البلاغت جلد دوم صفحہ ۱۲۴ میں ہے:

اِنِّی وَاللّٰہِ لَوْ لَقِیْتُہُمْ وَاحِدًا وَہُمْ طِلَاعَ الْاَرْضِ کُلِّہَا مَا بَالَیْتُ وَلَا اسْتَوْحَشْتُ۔

یعنی حضرت امیر (علی) فرماتے ہیں قسم بخدا اگر میں تن تنہا ان کا مقابلہ کروں اور وہ تمام روئے زمین بھر کر ہوں۔ تب بھی مجھے کچھ پرواہ نہ ہوگی اور نہ میں گھبراؤں گا۔

نیز حیات القلوب میں ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جناب امیر کو اپنے بستر پر سلا کر غارِ ثور میں تشریف لے گئے تو صبح کو تمام کفارِ قریش نے جمع ہو کر جناب امیر پر حملہ کیا۔ اس وقت تنہا جناب امیر نے لشکر کفار کو شکست دی اور غالب آئے۔

ان تمام حوالا جات سے اظہر من الشمس ہے کہ حضرت امیر بے یار و مدد گار نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ محبین و مخلصین کی جماعتیں تھیں۔ آٹھ ہزار کا لشکر جرار تو صرف مدینہ میں ان کے پسینہ پر خون بہانے کے لیے تیار تھا اور اس پر مزید یہ کہ ان کی ذاتی شجاعت و قوت کا یہ عالم تھا کہ روئے زمین کے انسانوں سے وہ تن تنہا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ "جناب امیر بے یار و مدد گار رہتے" اس لیے آپ نے تلوار نہیں اٹھائی"۔

باطنی وجہ

خلفاء ثلاثہ کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تلوار نہ اٹھانے کی جو باطنی وجہ بیان کی جاتی ہے۔ وہ بھی بہت دلچسپ ہے کہتے ہیں:

پس ثابت ہوا کہ کافروں اور منافقوں کی پشتوں میں "مومن" اللہ کی امانتیں ہیں پس علی علیہ السلام ایسے نہ تھے کہ امانتوں کے نطفے سے پہلے ان کے آباؤ اجداد کو قتل کر دیتے"۔ (اخبار صداقت صفحہ ۱۰ ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

جواب: جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفاء ثلاثہ کے خلاف تلوار اس لیے نہ اٹھائی کہ ان کو معلوم تھا کہ ان کی پشتوں سے مومن پیدا ہوں گے۔ لہٰذا مومنوں کے پیدا ہونے سے پہلے خلفاء کو قتل کر دینا اللہ کی امانتوں کو ضائع کرنا تھا۔ اس جواب سے ایک بات تو یہ ظاہر ہوتی کہ یہ لوگ حضرات خلفاء ثلاثہ کو منافق یا کافر سمجھتے ہیں۔

ثانیاً۔ جب ظاہری وجہ باطل ہو گئی تو اب باطنی وجہ کا بطلان تو بالکل بدیہی ہے کیونکہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ جناب امیر بے یار و مدد گار نہ تھے تو ایسی صورت میں ان

کا فرض تھا کہ وہ باطل کو مٹانے کے لیے قدم اٹھاتے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قرآن میں تحریف ہو رہی تھی اور دین کا نظام ہی درہم برہم ہو رہا تھا۔

ثالثاً۔ اگر محض اس بنا پر تلوار نہ اٹھائی کہ ان سے مسلمان پیدا ہونے والے تھے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصحاب جمل وصفین سے کیوں خونریز لڑائیاں کیں۔ کیا اصحاب جمل وصفین سے کوئی دیندار پیدا ہونے والا نہ تھا۔

تلوار نہ اٹھانے کی سیاسی وجہ

جناب امیر کے تلوار نہ اٹھانے کی سیاسی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ:

''صادق آل محمد کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب امیر علیہ السلام نے قوم سے ہاتھ کیوں روکا آپ نے فرمایا اس خوف سے کہ کہیں وہ لوٹ کر کافر نہ ہو جائیں''۔

(صداقت ۵ جنوری ۱۹۵۶)

غور کیجئے کہ خود ہی کہتے ہیں کہ تمام صحابہ سوائے تین کے مرتد ہو گئے تھے (دیکھو روضہ کافی صفحہ ۱۱۵) اور پھر خود ہی کہتے ہیں کہ مرتد ہونے کا اندیشہ تھا۔ پھر یہ بات بھی کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے؟ کہ جناب امیر لڑیں تو حضرت ابوبکر سے اور لوگ مرتد ہو جائیں اسلام سے! مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ اسی کو کہتے ہیں۔

جناب امیر نے تلوار نہ اٹھا کر رسول خدا کے کس حکم کی اطاعت کی

تو اس کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں جس کا متن یہ ہے کہ:

''حضرت امام موسیٰ کاظم سے روایت ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خطبہ دیا تو فرمایا لوگوں کی ولایت کا میں سب سے زیادہ حقدار ہوں بعد وفات رسالت مآب زمین پر۔ اشعث ابن قیس کندی کھڑا ہوا اس نے کہا یا امیر المومنین! جب سے آپ عراق تشریف لائے ہیں آپ نے کوئی خطبہ ایسا نہیں پڑھا جس میں یہ

نہ کہا ہو کہ میں ہمیشہ مظلوم ہوں۔ حالانکہ میں سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ پس جب آپ والی ہوئے تو آپ نے تلوار سے مار کر اپنا حق کیوں نہیں لے لیا۔ امیر المومنین نے فرمایا اے ابن خمارہ تو نے بات تو کہی ہے۔ اب جواب بھی سن! خدا کی قسم مجھے بزدلی اور موت کی کراہت نے اس سے نہیں روکا تھا اور نہیں روکا اس سے مگر میرے بھائی رسول خدا کی وصیت نے رسول خدا نے مجھے خبر دی تھی کہ اے ابوالحسن! امت تیرے ساتھ عنقریب غداری کرے گی اور میرا عہد توڑے گی۔ عرض کی! جب ایسا ہو جائے تو مجھے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تجھ کو اعوان و انصار مل جائیں تو ان کی طرف جلدی کر اور جہاد کر۔ اگر مددگار نہ ملیں تو اپنا ہاتھ روک لے اور اپنا خون بچا لے حتیٰ کہ تو مظلوم ہو کر میرے پاس آئے"۔ (اخبار صداقت صفحہ ۱۲ ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

جواب: اس روایت سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ مظلوم رہیں گے کیونکہ روایت میں ہمیشہ کا لفظ موجود ہے حالانکہ یہ بات واقعہ کے خلاف ہے کیوں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت وحکومت مل گئی تو اس وقت آپ مظلوم کہاں رہے۔ اس وقت تو آپ طاقت کے ذریعہ بھی اپنا حق حاصل کر سکتے تھے۔

۲) دوسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکومت و خلافت حاصل کر لینے کے بعد بھی وہی احکام جاری رکھے۔ جو عہد خلفاء ثلاثہ میں جاری تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلفاء ثلاثہ کی امامت اور ان کے احکام حق تھے ورنہ طاقت کے باوجود خاموش رہنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان کے خلاف ہے

۳) تیسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت و حکومت پا لینے کے بعد بھی بے یار و مددگار رہے اور اعوان و انصار نہ ملنے کی وجہ سے

آپ نے ان احکامات کو جاری رکھا جو حضرات خلفاء ثلاثہ کے عہد میں جاری تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت بھی کر دی تھی کہ اگر مددگار مل جائیں تو تلوار اٹھانا ورنہ نہیں اور چونکہ آپ کو اپنے دورِ خلافت میں بھی مددگار نہ ملے۔ اس سے آپ نے نہ اپنا حق لیا اور نہ احکامات کو منسوخ کیا۔ جو خلفاء ثلاثہ کے عہد سے جاری تھے۔ غور کیجئے کہ یہ بات عقل میں آتی ہے؟ کوئی عقلمند اس کو قبول کر سکتا ہے؟ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت اور حکومت میں بھی بے یار و مددگار ہوں اور حق کی حمایت میں کوئی قدم نہ اٹھا سکیں۔

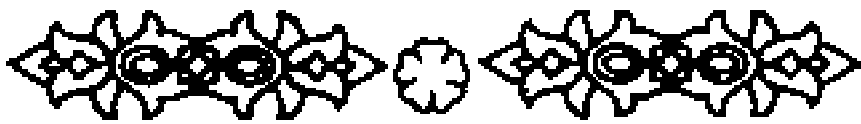
حقیقت یہ ہے کہ ان کو جس قوم کی روایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی قسم کی روایت تصنیف کر کے اپنے عوام کو بہلا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو روایت اصول کافی میں ہے وہ اس سے زیادہ دلچسپ ہے جس کا متن یہ ہے:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کے کہنے اور خدا کے حکم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عہد لیا اور فرمایا کہ جو کچھ اس عہد نامہ میں ہے اس پر عمل کرنا۔ یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں ان سے محبت کرنا اور جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں ان سے عداوت رکھنا مگر اس کے ساتھ تم کو صبر بھی لازم ہے۔ اپنے غصہ کو ضبط کرنا' اپنی حق تلفی پر اپنے خمس کے غصب ہو جانے پر۔ اور اپنی آبروریزی پر' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کو قبول کیا اور کہا میں راضی ہو گیا۔ اگرچہ میری بے عزتی کی جائے۔ احکام دین معطل ہو جائیں قرآن پھاڑ دیا جائے اور کعبہ گرا دیا جائے اور میری داڑھی میرے سر کے خون سے رنگین کر دی جائے میں ہمیشہ صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ جاؤں''۔ (اصول کافی صفحہ ۱۷۳)

قارئین کرام! وصیت کی اس روایت کو بھی پڑھیے کہ غور کیجئے کہ ایسی غیر منقول اور بے ہودہ وصیت کہ چاہے قرآن نابود ہو جائے۔ کعبہ گرا دیا جائے اور اہلبیت کی آبرو

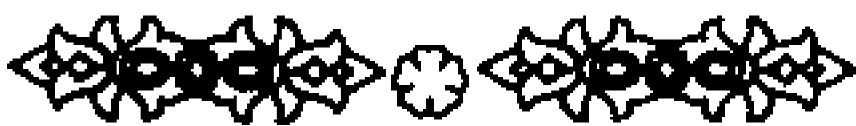
ریزی کی جائے مگراے علی! تم کچھ نہ بولنا، شانِ رسالت کے منافی ہے یا نہیں۔

اور قطع نظر دوسری خرابیوں کے اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو تمام عمر صبر سے کام لینا چاہیے تھا اور پھر جمل و صفین کی لڑائیاں قطعاً ناجائز ہوں گی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان لڑائیوں کی وجہ سے یہ الزام قائم ہوگا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو توڑا۔ ان کو صبر کی وصیت تھی۔ لیکن جمل و صفین میں انہوں نے صبر سے کام نہ لیا اور وصیت رسول کو پس پشت ڈال دیا۔ الغرض جناب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلفاء ثلاثہ کے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھانے کی جو وجوہات بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب عقل و نقل کی روشنی میں باطل ہوگئیں تو اب نتیجہ بالکل صاف ہے کہ جناب امیر نے اتنی مادی، روحانی اور ذاتی طاقتوں کے ہوتے ہوئے خلفاء ثلاثہ کے خلاف تلوار اس لیے نہیں اٹھائی کہ آپ کے نزدیک خلفاء ثلاثہ امام برحق تھے اگر یہ امام برحق نہ ہوتے تو جناب امیر باوجود طاقت کے کبھی خاموش نہ رہتے۔



(رشحات فیض امام اہلسنت شیخ الحدیث حضرت ابومحمد، سیّد محمد دیدار علی شاہ محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ)

دل اپنا عشق احمد صلی اللہ علیہ وسلم مرسل سے چُور ہے
آنکھوں میں نور دل میں انہیں کا سُرور ہے
دیکھو گری نگاہ سے نہ دیدارِ زار کو!
مولیٰ کا اس کے نام بہت دُور دُور ہے



بسم اللہ الرحمن الرحیم

بصیرت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ○

بصیرت ' حضرت علامہ سیّد محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کردہ دینی' مذہبی' فقہی' اخلاقی' اصلاحی' روحانی اور تاریخی مضامین کا رُوح پرور' فکر انگیز' ایمان افروز مجموعہ ہے۔

مختلف اہم دینی موضوعات پر کتاب وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں لکھے گئے مضامین کا یہ مجموعہ مسلمانوں کی دینی' مذہبی' اخلاقی' روحانی ضرورت کو پورا کرنے میں ان کا ممد ومعاون ہوگا۔

بصیرت کے مطالعہ سے آپ کی وہ ذہنی تشنگی دُور ہو جائے گی۔ جس کے آپ خواہش مند ہیں اور بہت سے اہم اور ضروری دینی ومذہبی معلومات کا آپ کے ذخیرہ علم میں اضافہ ہوگا۔

دین ومذہب کا درد رکھنے والے احباب سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ دینی' مذہبی معلومات کے اس قابلِ قدر علمی ذخیرہ کے اپنے حلقۂ اثر میں زیادہ سے زیادہ اشاعت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ جو احباب تبلیغ دین کی غرض سے بصیرت کو اپنے حلقہ میں تقسیم کرنا چاہیں' انہیں خاص رعایتی ہدیہ پر یہ کتاب مہیا کی جائے گی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے طفیل لکھنے اور پڑھنے والوں کو اسلامی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔ آمین

نیاز کیش

سیّد مصطفیٰ اشرف رضوی

دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق
معاشرت سے متعلق قرآن وحدیث اور
فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کا
قابل مطالعہ مجموعہ



تالیف

شارح بخاری شریف
علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری رحمۃ اللہ علیہ
سابق شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

مرتبہ

صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی
ناظم اعلیٰ مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

رضوان کتب خانہ، گنج بخش روڈ لاہور

مشہور نعت خوانوں کا پڑھا ہوا

نعتیہ کلام

برکاتِ مدینہ

نعتوں کی ڈائری



مرتب

صاحبزادہ عبدالرحمٰن رضا قادری

متعلم مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش لاہور

باہتمام صاحبزادہ پیر سید مصطفٰی اشرف رضوی ایم اے

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور



رضوان کُتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور

Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729

اس کتاب میں حج وزیارات، اسوۂ ابراہیمی عید الاضحیٰ
اور اس کے مسائل و احکام، ماہِ محرم کے مسائل و احکام، واقعہ کربلا، عید میلاد النبی ﷺ
ماہِ رجب کے برکات، شب برات، ماہِ شعبان کے فضائل، ماہِ رمضان کے مسائل، روزہ، تراویح
عید الفطر، ایسی اسلامی تقریبات پر کتاب وسنت کی روشنی میں مفصل ومکمل بحث کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں خلفائے
اربعہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما،
امّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ وعائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ، حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ایسے مشاہیر اسلام
بزرگان دین کی تاریخ وفات، سیرت وصورت، سوانح حیات اور ان کی قومی ملی کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی تقریبات

تصنیف لطیف

امیر اہلِ سُنت شارح بخاری
حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری قدس سرہ العزیز
(ستارۂ امتیاز حکومت پاکستان)

باہتمام

صاحبزادہ پیر سید مصطفیٰ اشرف رضوی ایم اے
امیر مرکزی دار العلوم حزب الاحناف ٥ لاہور



رضوان کتب خانہ
گنج بخش روڈ لاہور
Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729



رضوان کتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور

فون: 042-37114729 موبائل: 0300-8038838